موت کی وادی
رضوان علی سومرو
SohniDigest.Com

پُراسرار کہانی

رضوان علی سومرو

موت کی وادی

کسی سیانے نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ مرد کو آباد بھی عورت کرتی ہے اور برباد بھی۔

شادی ہر انسان کی زندگی کا ایک خوبصورت پل ہوتا ہے جسے وہ اچھی طرح جینا چاہتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ اس خوشی کو بانٹنا چاہتا ہے۔ اگر انسان کی شادی اس عورت سے ہو جائے جس سے وہ محبت کرتا ہے تو وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت انسان محسوس کرتا ہے لیکن میرے ساتھ ایسا نہ تھا۔

میرے سامنے شادی کارڈ نہیں میری شکست کا اعلان موجود تھا جو چیخ چیخ کر اس مردود کی فتح اور میری شکست کا ثبوت تھا۔ میری اس عبرت ناک داستان کا حصہ آپ کو بتانے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ میرا اور پڑھنے والوں کا تعارف ہو جانا زیادہ بہتر ہے۔ میں اپنی یہ داستان کیوں اپنے پڑھنے والوں کو سنا رہا ہوں اس کی وجہ میں داستان کے آخری ابواب میں بتاؤں گا۔

میرا نام مرزا خلیق بیگ ہے۔ ہمارا خاندان خاصا عزت دار اور نامور گھرانہ تھا۔ جب میں نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو میری والدہ بتاتی ہیں کہ آسمان پر پورا چاند موجود تھا جس کی کرنیں براستہ کھڑکی سے مجھ پر پڑ رہی تھیں اور میرے دائیں ہاتھ پر پورے چاند کا نشان موجود تھا جو کہ پیدائشی تھا۔ دادا مرحوم خاندان کی ناموری کے قصے

سنانے میں کافی فخر محسوس کرتے تھے لیکن خاندان کی ناموری اور فخر بازاری عورتوں کے پہلو میں نیلام ہوگیا۔

جب میں نے ہوش سنبھالا تو عزت کا نشان ہماری حویلی ایک ساہوکار کے پاس رہن تھی۔ گویا ابا اور دادا نے اپنے بچے کو وراثت میں قرض کا تحفہ دیا تھا۔ جب ابا نے آنکھیں بند کیں تو ان کی تدفین سے پہلے ہی وہ مردود ساہوکار حویلی پر قبضہ کرنے کی نیت سے موجود تھا۔ ابا کو دفن کرنے کے بعد حویلی کی چابی جیسے ہی میں نے ساہوکار کے حوالے کی اور بے سروسامانی کے عالم میں باہر نکل آیا تو ساہوکار نے ترس کھا کر ہزار روپے مجھے دیئے۔ چونکہ میں پڑھا لکھا تھا اس لیے بہت جلد مجھے نوکری مل گئی۔ نوکری ملتے ہی میں نے ایک فلیٹ کرایہ پر لے لیا۔ جس کمپنی میں، میں نے جاب شروع کی وہ ایک چھوٹی سی اکاونٹ فرم تھی۔ کمپنی کے مالک بھی کمپنی کی طرح چھوٹے دل کے تھے۔ بالکل خالص سیٹھ تھے۔ نہ جانے کون سے خاندان کے تھے۔ کوئی ان کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا یہ پڑھا لکھا بندہ ہے۔ دفتر کا اسٹاف چودہ افراد پر مشتمل تھا۔

کسی بھی فرم کی شان بڑھانے کے لیے لڑکی کا ہونا ضروری ہے چنانچہ ہماری فرم میں دو عورتیں تھیں باقی حضرات تھے۔ دو خواتین میں ایک کا نام زیبی تھا۔ نام تو ان کا کچھ اور تھا مگر وہ اپنے آپ کو زیبی کہلوانا زیادہ پسند کرتی تھی۔ اس کی وجہ صرف پاکستانی اداکارہ زیبا تھی۔ بلاشبہ زیبا پاکستان کا فخر تھی مگر اتنی پرانی اداکارہ کو پسند کرنا میری سمجھ سے باہر تھا۔ زیبی فرم میں **tax consultant** تھی۔ عمر پچاس سال کے قریب تھی۔

دوسری موصوفہ کا نام انجیلا تھا۔ انجیلا ہی تھی جو دفتر میں سب کی آنکھوں کا تارا تھی۔ دفتر کا ہر شخص اسکی نظر التفات کا منتظر رہتا تھا۔ بھنگی ہونے کے باوجود ہر ملازم عشق کے اوزار لئے اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔ اس روز موسم ابر آلود تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیں برس چکی تھیں۔ آفس ختم ہونے کے بعد میں جیسے ہی باہر نکلا میں نے دیکھا کہ انجیلا بھی آفس سے باہر نکل رہی ہے۔ سفید کاٹن کی ساڑھی میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ وہ آرام سے چلتی بس اسٹاپ کی جانب جا رہی تھی۔ اچانک میری نظر پارکنگ اسٹینڈ پر کھڑے ایک شخص پر پڑی۔ وہ نہایت ہی قیمتی قسم کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ عمر اس کی چالیس اور پینتالیس کے آس پاس تھی۔ اس کے سر اور داڑھی کے آدھے بال سیاہ اور آدھے سفید تھے۔ چہرے پر بچوں جیسی معصومیت تھی جبکہ آنکھیں بولتی محسوس ہوتیں۔ ان آنکھوں میں مجھے عجیب سی پراسراریت محسوس ہوتی۔ وہ میری طرف نہایت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جس کو میں نے خاص طور پر

نوٹ کیا۔ میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نمودار ہو جاتی جیسے مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

جب بھی میں آفس سے باہر نکلتا وہ میرا منتظر ہوتا۔ ایسا میں کافی دن سے دیکھ رہا تھا کہ وہ مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ پہلے پہل تو میں نے اس کو نظر انداز کیا لیکن بعد میں ایسا لگا کہ وہ شخص صرف مجھ پر نظر رکھتا ہے۔ اسے دیکھ کر میں چونک گیا۔ میں نے انجیلا کے پیچھے جانے کا ارادہ چھوڑ کر اس بندے سے ملنے کا فیصلہ کرلیا۔ آج اس سے ملاقات کر کے وجہ دریافت کروں کہ وہ مجھے اس طرح کیوں دیکھتا ہے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے نزدیک پہنچا۔ مجھے اپنے نزدیک آتا دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ مجھے قریب آتا دیکھ کر وہ بولا۔

"میں جانتا ہوں تم میرے پاس کیوں آئے ہو۔" اسکے ہونٹوں پر ایک پرسکون مسکراہٹ تھی۔

"جب جانتے ہو تو یہ بھی بتا دو کہ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھتے ہو؟" میرے لہجے میں تھوڑا غصہ در آیا۔

"تم سے ایک کام ہے۔" وہی پرسکون مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

"کیا کام ہے؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔

میری طرف دیکھ کر وہ مسکرایا اور بولا۔ "یہاں نہیں۔ کل تم مجھے ہوٹل ہورزون روم نمبر 605 میں آ کر ملو۔ رات آٹھ بجے کے بعد دیکھو آنا ضرور۔ اس کی بات سن کر میں چونک گیا۔ ایک اجنبی جس کو میں جانتا تک نہیں۔ اسکے بلانے پر میں کسی ہوٹل میں کیوں چلا جاؤں۔ نہ جانے وہ مجھے نقصان پہنچا دے۔

"نہیں جو بھی کام ہے ابھی بتاؤ۔" میرا لہجہ سخت تھا۔

"ہر کام کو کرنے کی جگہ اور وقت ہوتا ہے۔ ابھی نہ وقت ہے نہ جگہ۔" وہ بولا۔

"نہیں، معذرت میں آپ کو جانتا نہیں اسلئے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ اتنا کہہ کر میں بس اسٹاپ کی طرف چلدیا۔

"آنا تو پڑے گا میرے دوست۔ مجھے انکار پسند نہیں۔" میں نے اپنے عقب سے اسکی آواز سنی۔

اس پر میں جواب دیے بغیر مسکرا دیا اور آگے بڑھ گیا۔ انجیلا جا چکی تھی میرا موڈ کافی خراب ہو گیا تھا۔ میں

سمجھتا تھا کہ انجیلا میرے جذبات سے بے خبر ہے مگر یہ میری غلط فہمی تھی۔ جسکا ازالہ اس نے کرسمس پارٹی کے موقع پر کر دیا۔

کرسمس پارٹی میں اس نے صرف اس ناچیز کو بلایا تھا میری تو جیسے عید ہو گئی۔ انجیلا نے مجھ سے اظہار عشق کر دیا۔ میرے دل کے کنول کھل اٹھے تھے۔ میں اور انجیلا آفس سے لنچ کرنے باہر ساتھ جاتے اور آفس ختم ہونے کے بعد ہم ساتھ گھر جاتے۔ اس دن کے بعد وہ آدمی مجھے دوبارہ دکھائی نہ دیا۔ ہمارا عشق بغیر وقفے کے چھ ماہ تک چلا پھر آفس میں ناہمہ کی آمد ہوئی۔ بوٹے قد، گھنگریالے بالوں والی خوش مزاج حسینہ جس کے آتے ہی انجیلا کا رنگ ماند پڑ گیا۔

ایک بات میں خلوص دل سے بتا دوں کہ میرے دل میں انجیلا کے لیے اس وقت تک منافقت پیدا نہ ہوئی جب تک ناہمہ نے خود اپنے قدم میری طرف نہ بڑھائے۔ ایک بات اور میں عرض کر دوں۔ میرا رہن سہن ویسا ہی تھا، جیسا کہ حویلی چھوڑتے وقت تھا۔ میں ہمیشہ سے اچھا کھانا اور اچھا پہناوے کا عادی ہوں۔ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ میں خود پر خرچ کرنے کا عادی ہوں۔ اس روز آفس سے جلدی چھٹی ہو گئی۔ میں حسب معمول بس اسٹاپ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میرا ارادہ اس ماہ کی انکم سے موٹر سائیکل خریدنے کا تھا۔ بسوں اور رکشوں کے سفر سے میں عاجز آ گیا تھا۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ میں نے ناہمہ کو اسٹاپ پر دیکھا۔ اس نے بلیو جین اور گرے کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی جس میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔

اسٹاپ پر کھڑا ہر مرد اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ سن گلاسز نے رہی سہی کمی پوری کر دی تھی۔ انجیلا تو سیدھی سادی تھی جبکہ ناہمہ تو بہت فیشن پرست تھی۔ میں نے اس کی طرف سرسری نظروں سے دیکھا پھر اسٹاپ کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک میرے کانوں نے ایک سریلی آواز سنی۔

”بزی ہیں خلیق صاحب۔“

میں نے چونک کر دیکھا تو ناہمہ تھی۔

”جی نہیں فرمایئے۔“ میں نے شائستہ لہجے میں جواب دیا۔

”دراصل ایک دوست کے ساتھ مووی کا پروگرام بنایا تھا۔ دو ٹکٹ بک کروائے تھے مگر وہ آئی نہیں۔ تنہا

جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے ایک ادا سے بولی۔

"تو آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے ساتھ پکچر دیکھنے چلوں؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بھلا میں اس کی دعوت کیوں نہ قبول کرتا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ انجیلا کے ہوتے ہوئے میں اس کے ساتھ کیوں جا رہا ہوں مگر آپ کو کوئی خوبصورت لڑکی آفر دے تو آپ کیا کرتے۔ لازمی آپ دعوت قبول کرتے۔ پھر میں نے ایک ٹیکسی روکی۔ ہم دونوں ٹیکسی میں بیٹھنے لگے تو میں نے اسی آدمی کو دیکھا جو ایک خوبصورت سی کار سے ٹیک لگائے میری طرف دیکھ رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ ہے جیسے کہہ رہا ہو ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔ یہ آدمی دوبارہ چھ ماہ بعد دکھا تھا۔ بہر حال میں نے اور ناہمہ نے پکچر ساتھ دیکھی، ڈنر ساتھ میں کیا۔ دوران فلم میں سوچتا رہا کہ وہ آدمی کون ہے اور مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ پھر تو کیا تھا آفس میں جیسے بھونچال آ گیا۔ ناہمہ نے روزانہ مسکرا کر سلام کرنا شروع کر دیا جسے سب نے نوٹ کیا۔

دفتر کے مردوں میں مایوسی چھا گئی۔ انہوں اوزار عشق سمیٹ کر تھیلے میں ڈال لئے۔ ناہمہ مجھے انجیلا سے زیادہ اچھی لگنے لگی تھی۔ انجیلا کو میں نے نظر انداز کرنا شروع کر دیا جسے سب نے محسوس کیا۔ انجیلا کو اس وقت یقین ہو گیا کہ میں نے اسکی برتھ ڈے پارٹی کو انکار کر دیا۔ تب وہ مظلوم لڑکی خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی۔ میری اور ناہمہ کی محبت پروان چڑھنے لگی۔ میں اپنی تنخواہ کا بہت سا حصہ ناہمہ پر خرچ کر دیا کرتا تھا جسکی وجہ سے میری آدھی تنخواہ اس پر خرچ ہو جاتی تھی اور میرا مہینہ مشکل سے گزرتا تھا۔ چنانچہ میں نے رکشہ ٹیکسی چھوڑ کر بسوں میں سفر کرنا شروع کر دیا۔ اس کی ماں مجھے بیٹا اور بھائی انکل کہا کرتے تھے۔ ناہمہ سے میری محبت بہت زوروں پر تھی اب تو جب تک میں اس کو دیکھ نہ لوں، مجھے سکون نہیں ملتا تھا۔

پھر ایک روز ایسا ہوا جس سے میری دنیا ہی بدل گئی۔ ناہمہ کی سالگرہ کا دن قریب آ گیا۔ ایک شام دوران گفتگو ناہمہ نے مجھ سے اپنی سالگرہ کا ذکر کیا۔ میں تو اس کی خوشنودی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے سے نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"اس بار تمہاری سالگرہ دھوم دھام سے منائی جائے گی۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونک گئی۔

"مطلب یہ کہ تمہارے گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب ہوگی جس میں دفتر کے تمام لوگ شریک ہوں گے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی پھر یکدم اداس ہوگئی۔

"میں نے کبھی سالگرہ نہیں منائی۔ اخراجات زیادہ ہوں گے۔" اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

"ہونے دو۔ اخراجات کی پرواہ کون کرتا ہے۔"

"نہیں خلیق۔ ویسے تمہاری آدھی انکم مجھ پر خرچ ہو جاتی ہے۔"

میں نے اسکی بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں، تمہارے لئے ساری دنیا کا بوجھ اٹھا سکتا ہوں۔" میں نے روایتی عاشقوں کی طرح جواب دیا۔

اسکے گلابی لب کھل اٹھے۔ بہرحال سالگرہ کا انتظام شروع کر دیا گیا تھا۔ میں چاہتا تھا اس کی سالگرہ اتنی دھوم دھام سے ہو سب یاد رکھیں۔ جوش محبت میں دعویٰ تو کر گیا تھا مگر اس کے انتظامات کرنا میرے لئے بہت مشکل تھا۔ پورے ماہ تنخواہ اور موبائل، میرے دو موبائل تھے۔ ایک سادہ، دوسرا اسمارٹ فون۔ چنانچہ اسمارٹ فون کی قربانی مجھے زیادہ بہتر لگی۔ قیمتی گھڑی وال کلاک دو مہنگے والے سوٹ فروخت کرنے پڑے تھے اور دوستوں سے قرض لے کر میں نے ناہمہ کو انتہائی قیمتی شلوار سوٹ لے کر دیا جو کہ بہت مہنگا تھا۔ دفتر کے تمام لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس میں وہ انسان بھی موجود تھا جسے میں شیطان کا خالہ زاد بھائی کہوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

❁.......❁.......❁

اسکا نام سلیم بیگ تھا۔ وہ فرم کا نیو اپائنٹمنٹ تھا اور فرم میں منیجر کی پوسٹ پر تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں والا، چھریرے بدن کا حامل یہ شخص منفی قوتوں کے لئے کافی کشش کا حامل تھا۔ پارٹی شروع ہوئی، دفتر کے لوگوں نے حسب توفیق تحائف دیئے۔ اس میں سلیم بیگ کا وہ مخملی ڈبہ بھی تھا جو سب سے الگ تھا اور خوبصورت بھی۔

"میری طرف سے یہ حقیر نذرانہ۔" سلیم بیگ نے جھک کر نہایت عاجزانہ لہجے میں کہا۔

میں نے دیکھا کہ ناہمہ کی آنکھوں میں چمک ظاہر ہوئی ہے۔ تمام مہمانوں کے تحفے کھلے تھے لیکن ناہمہ کا دھیان اسی طرف تھا۔ خود میری حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ میں خود بھی اشتیاق میں تھا کہ دیکھوں کہ ڈبے

میں کیا ہے۔ مہمانوں کے جانے کے بعد ڈبہ کھلتے ہی میری آنکھیں کھل گئیں۔ خود ناہمہ کا حال بھی مجھ سے مختلف نہ تھا۔ ڈبے کے اندر سونے کا ہار موجود تھا۔ سونے کا سیٹ دیکھ کر ناہمہ کا چہرہ گلزار ہو گیا۔

''ہونہہ۔'' ناہمہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ ''سونے کا معلوم ہوتا ہے۔''

''سستا ہوگا۔'' میں نے جلن بھرے لہجے میں کہا۔

''تمہیں ان چیزوں کی کیا تمیز۔ کم از کم چالیس کا ہوگا۔''

ناہمہ سج دھج کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''وہ اس قدر مخلص نکلے گا مجھے اندازہ نہ تھا۔'' ناہمہ زیر لب بڑبڑائی۔ ناہمہ کے منہ سے اسکی تعریف سن کر مجھے بہت برا لگا لیکن میں چپ رہا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اس سے کہا۔

''اچھا۔ اللہ حافظ۔ میں چلتا ہوں۔''

''خدا حافظ۔'' بے خیالی میں بندوں کے نگ درست کرتے ہوئے بولی۔

میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ مجھے یقین نہ تھا کہ وہ اس قدر بے اعتنائی کا مظاہرہ کرے گی۔ مجھے اس مردود پر غصہ بھی آرہا تھا کہ اس نے اتنا قیمتی تحفہ کیوں دیا۔ میں دل برداشتہ سا ہو کر وہاں سے چلا آیا۔ خود پر بھی غصہ آرہا تھا کہ سالگرہ کا راگ چلایا پھر میں نے خود کو تسلی دی کہ عورت کی فطرت ہے۔ زیورات پر مرنا۔ وہ بہت جلد مجھ سے معافی مانگ لے گی کہ سونے کی چمک سے مرعوب ہو کر اس نے میری دل شکنی کی تھی۔ کافی دیر تک میں غم و غصہ کا شکار رہا۔

دوسرے دن میں حسب معمول دفتر گیا مگر نجانے کیوں اسکی مسکراہٹ میں وہ تازگی اور جان محسوس نہ ہوئی جو پہلے تھی۔ لنچ تک نہ میں نے اس سے بات کی، نہ ہی اس کو مخاطب کیا۔ پورا دن ہم دونوں نے ایک دوسرے سے بات نہ کی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس نے بھی مجھ سے بات نہ کی۔ آفس ختم ہونے کے بعد میں شام کو بس اسٹاپ پر جا پہنچا لیکن وہ جا چکی تھی ورنہ وہ ہمیشہ میرا انتظار کیا کرتی تھی۔ مجھے بہت برا لگا۔ اس رات میں نے دو بجے تک سگریٹوں پر سگریٹیں پیں۔ نہ جانے کب میں سویا مجھے یاد نہیں۔

صبح ماسی پورے بیڈ پر سگریٹوں کے ٹوٹے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ دوسرے دن بھی سین اون تھا۔ نہ اس نے

بات کی نہ ہی میں نے۔ دفتر کے لوگوں نے بھی اس چیز کو فیل کیا۔ ان لوگوں کی نگاہوں میں میرے لئے تضحیک کا عنصر نمایاں تھا۔ بس انجیلا کی نگاہوں میں، میں نے ہمدردی دیکھی۔ اس دن شام کو میں پندرہ منٹ پہلے آفس سے باہر نکل آیا۔ میرا ارادہ آج اس سے شادی کی بات کرنے کا تھا۔ جیسے ہی میں اسٹاپ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ پہلے ہی کھڑی ہے۔ اچانک میں نے اس مردود سلیم بیگ کو آتے دیکھا۔ میں تھوڑا سائیڈ میں کھڑا ہو گیا۔

اچانک وہ ٹہلتی ہوئی سلیم بیگ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ پھر میں نے جو سنا وہ لفظ نہیں بم کے گولے تھے۔ میرا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا تھا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور میں سناٹے میں آ گیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''بزی ہیں سلیم صاحب۔''

''نہیں گھر جا رہا تھا۔ آپ حکم کریں۔'' سلیم مسکرا کر بولا۔

اس کے بعد اس سے آگے مجھ سے سنا نہ گیا۔ اس نے ہو بہو وہی لفظ کہے جو مجھ سے کہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ سلیم کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ دونوں ٹیکسی میں سوار ہو کر چلے گئے۔ جیسے ہی وہ دونوں ٹیکسی میں سوار ہوئے اچانک میری نظر پان کے کیبن پر پڑی۔ میں نے دیکھا وہی آدمی کھڑا تھا اور بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ بھی میرا مذاق اڑا رہا ہے۔ میرے الّو بن جانے پر خوش ہو۔ اس پراسرار شخص کی نگاہیں ٹیکسی پر بھی تھیں۔ میں اس کی جانب بڑھا تو سامنے سے ایک بس گزرنے لگی بس جیسے نظروں کے سامنے سے گزری تو آدمی غائب تھا۔ اتنی جلدی کسی آدمی کا یوں غائب ہونا میرے لئے حیرت انگیز تھا۔ سلیم بھی میری طرح اس کے جھانسے میں آ کر موی دیکھنے چلا گیا تھا۔ اب وہ کھلم کھلا سلیم سے عشق کر رہی تھی اور مجھے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا تھا۔ یقین کرنا مشکل تھا کہ دولت نے محبت کو ہرا دیا تھا۔

❁......❁......❁

دوسرا دن میرے لیے ایک اور تکلیف دہ دن تھا۔ میں نے اس بے مروت ہرجائی کو اس سلیم بیگ کے ساتھ آتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے کہہ رہی ہو کہ بیوقوف زندہ ہے عقل مند بھوکا نہیں مر سکتا۔

اسی دوران ایک ہفتہ گزر گیا۔ ایک ہفتے کے بعد شادی کا جو پہلا کارڈ میرے سامنے آیا وہ میری شکست کا اعلان

موجود تھا جو چیخ چیخ کر اس مردود کی فتح اور میری شکست کا ثبوت تھا۔ کارڈ پر میری جگہ سلیم بیگ کا نام تھا۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے لیکن ایسا کچھ نہ تھا۔ وہ تو دولت سے پیار کرتی تھی۔

آفس میں بھی میرا موڈ خراب رہا۔ لنچ میں سب جانے لگے تو میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ شادی کا کارڈ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں آہستہ سے چلتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا۔ وہ سلیم کا انتظار کر رہی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے شادی کارڈ اس کو دکھاتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''جو تم دیکھ رہے ہو۔'' اس نے لاپروائی سے جواب دیا اور کاونٹر چھوڑ کر جانے لگی مگر میں نے اس کو جانے نہ دیا اور اسکا بازو زور سے پکڑ لیا۔

''چھوڑو میرا بازو۔ مجھے درد ہو رہا ہے۔'' اس نے سسکاری لی۔

''کیوں؟ تم مجھے ایسے دھوکا دے کر نہیں جا سکتی۔'' میں نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔

''تم بھوکے مجھے کیا دے سکتے ہو۔ سلیم تم سے زیادہ مالدار ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''اسکا مطلب، تم نے مجھے بیوقوف بنایا۔'' میں نے غصے سے کہا۔ میری آواز غم سے بوجھل تھی۔

''ہاں دیر سے مگر تم ٹھیک سمجھے۔'' وہ مسکرائی۔ اسکے لہجے میں میرے لئے تضحیک کا عنصر موجود تھا۔

''تم مجھے ایسے دھوکا نہیں دے سکتی۔'' میں نے چلا کر کہا اور ساتھ ہی اس کو بالوں سے پکڑ لیا۔

''چھوڑو مجھے۔ جنگلی، گنوار، جاہل۔'' وہ چلائی۔ اس کے اسطرح چلانے سے آفس کے دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے لیکن کوئی آگے نہ بڑھا۔ بڑھنے والوں میں صرف ایک ہی تھا جس کا نام سلیم بیگ تھا۔ سلیم نے مجھے گریبان سے پکڑ کر دھکا دیا اور بھرپور ہاتھ مارا۔ میرے ہونٹوں سے خون نکل آیا۔ میں گالیاں اور نا ہمہ کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دیتا ہوا غصے میں آفس سے باہر نکل آیا۔

سارا دن میں یوں ہی گھومتا رہا۔ رات ہوتے ہی میں فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگا تو میں نے دیکھا، وہی آدمی چوکیدار سے باتوں میں مصروف ہے۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پھر وہی مسکراہٹ ابھری جسے دیکھ کر میرا دل جل کر راکھ ہو گیا۔ میں غصے سے اس آدمی کی طرف بڑھا اور اسکا گریبان پکڑ لیا۔

''کیا چاہتا ہے تو۔'' میں نے غصے سے کہا۔

”صرف میرا کام۔اسکے بعد میں تم کو کچھ نہیں کہوں گا۔“ وہ پرسکون مسکراہٹ سے بولا۔اس کے جواب میں نے اس کو وہ جملے کہے کہ اگر اس آدمی کی ماں سن لیتی تو ضرور شرمندہ ہو جاتی۔میرے جملے سن کر وہ ہنس پڑا۔

”کام تو کرنا پڑے گا چاہے کچھ بھی ہو۔“

میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور ہونٹ چباتا ہوا فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے، رات کو ناہمہ کو نہایت نفرت بھرے میسج کرنے کے بعد مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ کب میں سو گیا تھا۔مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں نے بڑا ہی خوفناک خواب دیکھا تھا جس کے اثر سے میں کافی دیر تک پریشان رہا تھا۔میں نے دیکھا میں اپنے فلیٹ کے نیچے کھڑا ہوں غالباً مغرب کے بعد کا وقت تھا۔میں بالکل تیار حالت میں ہوں اچانک میرے سامنے ایک کار آ کر رکی۔کار مجھے یاد نہیں کس ماڈل کی تھی۔میں نے دیکھا کہ کار کے اندر ناہمہ ہے لیکن ناہمہ ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں بلکہ پچھلی سیٹ پر تھی۔ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص بیٹھا تھا۔اس نے اپنے سر پر فلیٹ ہیٹ رکھا ہوا تھا جس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔اسکا چہرہ اندھیرے میں تھا۔روشنی صرف پچھلے حصے میں تھی۔یہ میرے لیے کافی حیرت انگیز بات تھی۔ناہمہ نے ایسے کپڑے پہن رکھے تھے جو کسی بھی طرح سے باوقار نہ تھے۔اس نے ریڈ کلر کا ہاٹم ٹاپ پہن رکھا تھا۔چہرے پر گہرے سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی اور گہرے رنگ کی آئی شیڈ سے آنکھوں کے اوپری حصے کو سجا رکھا تھا۔ناہمہ کے چہرے پر سحر زدہ کیفیت تھی۔ایسا لگ رہا تھا اس نے بہت زیادہ پی رکھی ہو یا کسی تنویمی عمل کے زیر اثر آ گئی ہو۔

”ناہمہ! تم......“ میں نے دانت پیستے ہوئے غصے سے کہا۔لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنے آپے میں ہی نہیں۔

”تم......تم......دفع ہو جاؤ۔“ میں غصے سے لرزتے ہوئے بولا۔

اچانک میں نے دیکھا کہ ڈرائیونگ حصے کی طرف روشنی ہوئی۔ڈرائیور کا چہرہ دیکھ کر میں اچھل پڑا۔یہ وہی شخص تھا جو مجھے اس دن روڈ پر نظر آیا تھا اور رات کو چوکیدار کے سامنے بھی جھگڑا ہوا تھا اور میں گالی سے بات کی تھی۔

”بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔“ اسکا لہجہ پرسکون تھا۔

”کیوں۔میں کیوں بیٹھوں؟“ میں نے طیش میں آ کر کہا۔

جواب میں اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ دوسرے ہی پل میری آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور مجھے گاڑی میں بیٹھنا ہی پڑا۔ اس پراسرار شخص نے ایک چھوٹا سا ریوالور نکال کر مجھ پر تان لیا تھا۔

جیسے ہی میں گاڑی میں بیٹھا اس پراسرار شخص نے میری جانب غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے اس کی آنکھوں سے برقی روسی نکل کر میری آنکھوں میں منتقل ہوگئی ہو۔ مجھے ایک جھٹکا لگا پھر میری کیفیت ویسی ہی ہوگئی جیسے ناہمہ کی تھی۔ کار چل پڑی تھی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرا ذہن خوابناک کیفیت کے زیر اثر ہے۔

قدرتی چھت پر پورے چاند کی روشنی محیط تھی۔ خوشگوار ہواؤں سے موسم خوبصورت تھا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ کار ایک گھنے جنگل سے ملحق سڑک پر کھڑی تھی۔ وہ پراسرار آدمی ہم دونوں کو لے کر جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔ جنگل میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جنگلی جانوروں کی آوازوں سے ہم دونوں کو کسی طرح کا خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ ہم دونوں یوں چلے جا رہے تھے جیسے اس کے زرخرید غلام ہوں۔ وہ شخص ہماری رہنمائی کرتا ہم دونوں کو ایک جگہ لے آیا۔

وہ ایک وادی تھی۔ وادی کے چاروں اطراف سرخ رنگ کے پہاڑ تھے۔ اس کی زمین بھی سرخ تھی۔ کافی دیر چلنے کے بعد ہم ایسی جگہ آگئے جہاں ایک چھوٹی سی قدرتی جوہڑ سی بنی ہوئی تھی۔ جوہڑ کا قطر اتنا بڑا ہوگا جتنا گھروں میں پانی کے ٹینک کے ڈھکن کا قطر ہوتا ہے۔ اس جوہڑ کے چاروں اطراف خودرو جھاڑیاں اور پودے تھے۔ سب سے حیرت انگیز بات تھی کہ جھاڑیاں اور پودے گھاس سب کا رنگ لال تھا جیسا کہ خون کا ہوتا ہے۔ وادی کے اندر ان جھاڑیوں اور پودوں کے علاوہ ہر درخت پتے پودے بھی سرخ تھے۔ اس جوہڑ کے پانی کا رنگ سبزی مائل تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تنویمی کیفیت میں ہونے کے باوجود میں ہر چیز سمجھ اور محسوس کر رہا تھا۔

اس آدمی نے جیب سے کالی دیوی کا پاکٹ سائز بت نکال کر اس جوہڑ کے سامنے رکھ دیا اور دونوں ہاتھ بلند کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سپاٹ تھے۔ وہ آدمی کہنے لگا۔

”کالی......ماں۔ تیری بلی لے آیا ہوں اس پوتر پانی سے وہ شے پرکٹ کر دے جس کے لئے تیرا یہ سیوک کافی سالوں سے تپسیا کر رہا ہے۔“

اچانک میں نے دیکھا کہ پانی کا سبزی مائل رنگ سیاہ ہونے لگا ہے۔ دفعتاً وہ پراسرار شخص میری طرف مڑا

اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سخت لہجے میں کہنے لگا۔

''کالی ماں...... کے آدیش کے انوسار، اس لڑکی کو گولی مار دو۔ یہ لو پستول۔''

مجھے ایسے لگا کہ کوئی مجھے مجبور کر رہا ہے۔ میں نے پستول ہاتھ میں لے لیا۔ اسی لمحے میں نے دیکھا کہ ناہمہ ہوش میں آگئی ہے۔ اس نے میرے ہاتھ میں پستول دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

''مم...... مم۔ مت مارو......'' ناہمہ نے ترحم نظروں سے اس پراسرار شخص کی دیکھا مگر اس کی جانب سے کسی طرح کا رسپانس نہیں آیا۔ میں نے سحر زدگی کے عالم میں پستول ناہمہ پر تان دیا۔ ناہمہ کی آنکھوں میں خوفزدگی کے تاثرات نظر آئے۔ دوسرے ہی لمحے ناہمہ کی چیخ نکل گئی۔ گولی اس کے سینے میں پیوست ہوگئی۔ وہ کسی کٹے ہوئے جھاڑ کی طرح گر پڑی۔ خون کی ایک پتلی لکیر اس جوہڑ میں جانے لگی۔ جوہڑ کے پانی کا رنگ لال ہو گیا۔ ناہمہ تڑپنے لگی اور ساکت ہوگئی۔

''بلی پوری ہوگئی اب تم جوہڑ کے اندر سے میری چیز باہر نکال دو۔''

میں نے اس جوہڑ کے اندر ہاتھ ڈالا۔ میری انگلیاں ایک ٹھوس چیز سے ٹکرائیں۔ میں اس کو باہر نکال رہا تھا کہ میرے کانوں سے تیز چیخ ٹکرائی۔ میرا ہاتھ لرز گیا۔ چیخ کسی خاتون کی تھی۔ آواز میں درد اور کرب دونوں کی آمیزش تھی۔ چیخ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ چیز میرے ہاتھ سے نکل گئی۔

اچانک مجھے کسی نے زور سے دھکا دیا۔ میں دور جا گرا پھر میں نے اس پراسرار شخص کی آنکھوں میں مایوسی دیکھی اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

آنکھوں کے گرد کافی دیر تک اندھیرا چھایا رہا۔ ہوش و حواس بحال ہوئے تو میں نے خود کو اپنے بیڈ پر پایا۔ گویا جو میں نے دیکھا تو وہ خواب تھا۔ اچانک میری نظر دیوار گیر گھڑی پر پڑی۔ گھڑی میں رات کے تین کا وقت تھا۔ خواب جس پر نجانے کیوں مجھے سچ کا گمان ہو رہا تھا۔ میرے دل کی بہت دھڑکن بہت تیز ہوگئی تھی۔ اچانک میری نظر اپنے دائیں ہاتھ پر پڑی اور میری آنکھیں حیرت اور خوف سے کھلی رہ گئیں۔ میرا دایاں بازو کیچڑ سے بھرا ہوا تھا۔ گویا یہ خواب نہیں تھا۔

میں فوراً بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ دھونے واش روم کی طرف بھاگا۔ اچانک میری نظر دروازے پر گئی۔

فرش پر کیچڑ کی لمبی پتلی لکیر بیڈ روم تک جا رہی تھی۔خوف سے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔وہ پراسرار آدمی مجھ سے کیا چاہتا ہے۔آخر دماغ پر زور دینے کے باوجود جب کچھ سمجھ نہ آیا تو میں نے سب وقت پر چھوڑ دیا اور بستر پر جا کر لیٹ گیا۔نجانے کب نیند آئی پتہ ہی نہ چلا۔بس سناٹے کے احساس نے مجھے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔کبھی میں اپنے آپ کو گھرے اندھیرے میں پاتا کبھی روشنی میں۔

اچانک موبائل کی گھنٹی کی تیز آواز نے مجھے چونکا دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔آنکھ کھلتے ہی میری نظر وال کلاک پر پڑی۔وہاں صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔میرا سر نہایت بھاری ہو رہا تھا۔ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میرے سر پر کوئی بڑا اور بھاری پتھر رکھا ہے جو ذرا سی جنبش پر سر سمیت لڑھک کر نیچے جا گرے گا۔میں کافی دیر تک یوں ہی بے سدھ بستر پر پڑا رہا۔اچانک دوبارہ بجنے والی موبائل کی آواز سن کر میں چونک اٹھا۔میں نے فون ریسو کیا تو انجیلا کی کال تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" اس کی چیختی آواز مجھے سنائی دی۔آواز گھبراہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔

"کیا ہوا۔جو اتنا گھبرائی ہو۔" میں نے سستی بھری آواز میں جواب دیا۔

"ناہمہ کا خون ہو گیا۔" آواز سے بدحواسی ظاہر ہو رہی تھی۔

"خ۔خون۔" میری آواز کانپ گئی۔گزشتہ رات کا خواب میری آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔میں نے کچھ دیر کے لئے خاموشی اختیار کر لی۔

"کیا ہوا۔خاموش کیوں ہو؟" انجیلا کی آواز پھر سنائی دی۔

"کس نے کیا؟"

"سلیم بیگ نے تم پر شک ظاہر کیا ہے اور تمہاری دی ہوئی دھمکیوں کا حوالہ دیا ہے۔پولیس کے سامنے جو تم نے ناہمہ کو دی تھیں مگر میں جانتی ہوں تم بے گناہ ہو۔تم اس حرافہ کے چکر میں پھنس ضرور گئے تھے مگر تم خون نہیں کر سکتے۔" انجیلا جذبات سے مغلوب لہجے میں گویا ہوئی۔

"سلیم بیگ گدھا ہے۔اپنی دشمنی نکال رہا ہے۔" میں نے غصے سے کہا۔

"مگر تم نے بھی ناہمہ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔"

”تو اسکا یہ مطلب ہوا میں نے اسکا خون کر دیا۔ بچوں والی باتیں کرتی ہو تم بھی۔“ میں نے غصے سے کہا۔

”نہیں۔نہیں۔ مجھے یقین ہے۔“ وہ یکدم گڑبڑا گئی۔

”پولیس کو پتہ کیسے چلا؟“

”وہ...... سلیم گیا تھا ناہمہ کے فلیٹ پر۔وہاں اس نے ناہمہ کو پک کرنا تھا مگر وہاں اس نے ناہمہ کی لاش پائی۔لاش کے پاس پولیس کو ایک پستول ملا ہے۔“

پستول کے نام سے میرے ذہن میں خواب گھومنے لگا لیکن خواب کبھی سچ ہوئے ہیں لیکن مجھے یہ ساری شرارت اسی پراسرار آدمی کی لگ رہی تھی جو مجھے نظر آتا تھا۔انجیلا اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

”پولیس نے کاروائی کرتے ہوئے اسٹاف کے فنگر پرنٹس حاصل کیے ہیں۔شاید اب پولیس تمہاری طرف آنے والی ہو۔“ انجیلا نے اپنی بات مکمل کی تھی اچانک فلیٹ کے دروازے پر زور زور سے دھڑ دھڑ ہوئی۔میرا دل دھڑک اٹھا۔خوف سے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

”لگتا ہے۔گیٹ پر پولیس ہے۔“میں نے انجیلا کو جواب دیا۔اسی پل گیٹ کھلا اور بہت سے پولیس والے ایک ساتھ بیڈ روم کے اندر داخل ہوئے اور میں بستر سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔خوف سے میری ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔فون میرے ہاتھ سے فرش پر گر گیا۔میں بوکھلا گیا تھا۔

”تمہارا نام خلیق ہے۔“ایک پولیس والے نے جو کہ وردی سے سینئر افسر لگ رہا تھا،کرخت لہجے میں پوچھا۔

”جج...... جی......“ خوف سے میرا چہرہ زرد پڑ گیا۔میں ہکلایا۔

”ضابطے کی کاروائی کے لئے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔“پولیس والے کا لہجہ بدستور کرخت تھا۔

”مگر کیوں۔آپ کے پاس وارنٹ ہے؟“میں نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

”وارنٹ۔“انسپکٹر طنزیہ انداز میں بولا۔چند لمحوں کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔”دفعہ تین سو دو کا چارج ہے تجھ پر۔چلنا تو پڑے گا بچو۔پیار سے چلے گا تو...... تیرے لئے اچھا ہے ورنہ ہمیں زبردستی کرنی ہوگی۔“

انسپکٹر مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ مجھے کسی کتے کی غراہٹ سے مشابہ لگی۔

نجانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اگر میں ان کے ساتھ گیا تو پولیس مجھے زبردستی قتل کے جرم میں ملوث کردے گی۔ میرا ذہن بڑی ہی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اچانک ایک بہت ہی خطرناک قسم کا خیال میرے ذہن میں آیا۔ میں نے نظر گھمائی تو مجھے بیڈ سے دو قدم کے فاصلے پر اپنی کھڑکی کھلی نظر آئی لیکن تیسری منزل سے چھلانگ لگانا اتنا آسان نہ تھا۔ نہ ہی میں کوئی فلمی ہیرو تھا جو آسانی سے فرار ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔ ہو سکتا تھا کہ فرار کی صورت میں پولیس گولی چلا دیتی۔

پولیس والوں نے مجھے لے جا کر لاک اپ میں بند کر دیا مگر اس سے پہلے وہ میرے فنگر پرنٹس لینا نہ بھولے تھے۔ لاک اپ میں میرے ساتھ ایک قیدی اور بھی تھا جو گھٹنوں میں منہ چھپا کر بیٹھا تھا۔ میں اس بندے کو نظر انداز کرتا ہوا دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''ہو نہ ہو، ناہمہ کا خون اسی پراسرار بندے نے کیا تھا اور مجھے پھنسا دیا تھا۔ اگر انگلیوں کے نشان آلہ قتل سے میل کھا گئے تو پھر مجھے پھانسی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔'' میرا چہرہ خوف و دہشت سے زرد پڑ چکا تھا۔

''اتنے پریشان کیوں ہو؟'' ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا تو یہ اسی قیدی کی آواز تھی جو سر چھپائے بیٹھا تھا۔

''پریشانی مصیبت کا حل نہیں۔'' اس نے سر اٹھائے بغیر پھر کہا۔

''تم...... کون ہو...... بھائی۔''

اس شخص نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ اسکا چہرہ دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرے پر وہی بچوں جیسی معصومیت۔ یہ وہی شخص تھا جو مجھے بار بار نظر آتا تھا۔ یہ وہی تھا جو خواب میں دکھا تھا۔

''تم۔ یہاں......'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں...... میں......'' وہ مسکرایا۔

''مجھے ایسا لگا کہ جیسے اس کی مسکراہٹ میں تضحیک کا عنصر ہو۔

''تم۔ کون ہو۔ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔''

''میرا نام دیال ہے۔ اگر تم اس دن میرا کہا مان لیتے تو...... آج اس لاک اپ میں نہ ہوتے۔'' وہ سنجیدگی

سے بولا۔

’’تو......اسکا مطلب خون تم نے کیا ہے۔‘‘ میں نے غصے سے کہا۔

’’خون۔ میں خون کرتا نہیں کرواتا ہوں۔ اس بے وفا کو تم نے ہی مارا تھا۔‘‘ وہ مسکرایا۔

’’کیا مطلب؟‘‘ میں نے چونک کر کہا۔

’’مطلب یہ کہ میری جان۔ دیال تانترک ودیا۔ ہپنو ٹائزم کا ماہر ہوں۔ تم کو اور تمہاری محبوبہ کو میں نے اس رات اپنے وش میں کر لیا تھا۔ تمہیں ایسا لگا کہ تم سو رہے ہو۔ اور تم نے خون کر دیا......اور بلی پوری ہو گئی۔‘‘

’’بلی۔‘‘ میں نے حیرت سے کہا۔

’’ہاں۔ بلی۔ دیوی ماں کی بلی۔ مگر تم ڈر گئے اور سارا کھیل چوپٹ ہو گیا۔ مگر اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اب تم میرے ساتھ چل کر وہ چیز نکالو گے۔‘‘ اسکا لہجہ سرد تھا۔

’’مگر۔ میں ہی کیوں۔ اور بھی تو لوگ ہیں۔‘‘ میری حیرت برقرار تھی۔

دیال ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ’’یہ ایک راز ہے۔ بس یہ جان لو کہ میرا کام صرف تم ہی کر سکتے ہو اور کوئی دوسرا نہیں۔‘‘ اس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

’’کیا۔ مطلب۔‘‘ میں نے شدید حیرت سے جواب دیا۔

’’مطلب یہ بھولے لال۔ جب تیری پیدائش ہوئی آسمان پر پورا چاند تھا اور تیرے ہاتھ پر چندرما کا نشان تھا۔ ایسے لوگ چندر پتر کہلاتے ہیں۔ اور صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔‘‘ دیال مسکرا کر بولا۔

اس کی بات سن کر مجھے غصہ آنے لگا تھا۔ کسی فضول سی بات پر کسی کالے جادو کے چکر میں اس نے میری زندگی خراب کر دی۔ میرا دل چاہا اسکا گلا دبا دوں۔ میں غصے سے ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔

’’نہیں، کام تو تیرا نہیں کروں گا۔ چاہے تو کچھ بھی کر لے۔‘‘

’’اس کا مطلب مجھے تم کو اپنے وش میں دوبارہ کرنا ہوگا۔‘‘ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

’’وش میں۔ تو بعد میں کرے گا مگر اس سے پہلے میں تجھ کو چھوڑوں گا نہیں۔ تو نے میری زندگی برباد کی ہے کتے۔‘‘ میں نے غصے میں دانت پیستے ہوئے جواب دیا اور اچھل کر اسکا گریبان پکڑ لیا۔

”ارے۔ ارے کرتا ہوا دیال پیچھے ہونے کی کوشش کرنے لگا مگر میں نے اسکو موقع ہی نہ دیا۔ گلے پر دباؤ بڑھاتا گیا۔ اس کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ چند لمحوں میں سارے حوالداروں نے مجھے گھیر لیا اور مارنا شروع کردیا۔ چھڑانا شروع کردیا۔ جب میں نے اسکو چھوڑا تو وہ مردہ ہو چکا تھا۔ پولیس والے مجھے گالیاں دیتے رہے اور مارتے رہے۔ اچانک میری نظر اس قیدی پر پڑی تو میں حیران ہو گیا۔ یہ دیال نہیں تھا کوئی اور بندہ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ گویا میرے ہاتھوں دیال نے ایک قتل اور کروا دیا تھا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا کہ وہ کالے جادو کا ماہر ہے۔ پولیس والوں کی مار سے میں نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھا۔ بس اتنا یاد تھا کہ میرے کانوں میں ایمبولنس کے سائرن گونجنے لگے تھے۔

۞......۞......۞

نہ جانے میں کب تک بے ہوش رہا۔ ہوش آیا تو مجھے اپنا سر بھاری بھاری سا محسوس ہو رہا تھا۔ بالکل ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سر پر مسلسل ہتھوڑے برس رہے ہوں۔ میں نے ہلنے کی کوشش کی تو منہ سے بیساختہ سسکاری نکل گئی۔ جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ پولیس والوں نے نہایت بے دردی سے مارا تھا۔ درد کی شدت سے سر پھٹا جا رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔ آہستہ سے گردن گھما کر جائزہ لینا چاہا۔ کچھ سجھائی نہ دیا کہ میں کہاں ہوں۔ روشنی کی ہلکی سی شعاع فرش پر پڑ رہی تھی جو کہ کھڑکی سے نکل کر فرش پر پڑ رہی تھی۔ لاک میں نیم اندھیرا تھا۔ میں نے فرش پر لیٹے لیٹے سر اٹھا کر دیکھا تو چھت پر ایک میلا سا بلب لٹک رہا تھا جس کی وجہ سے لاک اپ پوری طرح سے تاریک نہ تھا۔

میں نے گردن گھما کر اوپر کی سمت دیکھا تو ایک چھوٹا سا روشندان موجود تھا جس پر لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ روشندان کا قطر اتنا بڑا تھا کہ ایک چھوٹا فین جو کہ کاروں میں بسوں میں موجود ہوتا ہے فٹ ہو سکتا تھا۔ میرے ہاتھوں ایک بے گناہ اور مارا گیا تھا۔ تاہم نے مجھے دھوکا ضرور دیا تھا مگر اس کی سزا موت نہیں تھی۔ وہ بدنصیب قیدی نہ جانے کون تھا جسے میں نے مار دیا تھا۔ اب تو لازمی موت میرا مقدر ہے۔ جسم کی چوٹیں تو دکھ رہی تھیں مگر بھوک سے بھی برا حال تھا۔ چنانچہ میں آہستہ سے کھسکتا ہوا اٹھا اور جیل کی سلاخیں پکڑ کر چلانا شروع کردیا۔

"کیا ہے۔" ایک کانسٹبل نے نفرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بھوک لگی ہے۔" میں نے منمناتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔اوہ۔صاحب کو بھوک لگی ہے۔" کانسٹیبل نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔میں نے اثبات میں سر ہلایا۔"بہت چربی چڑھ گئی ہے تیرے کو۔چپ کر کے بیٹھا رہ۔" کانسٹیبل غصے سے بولا۔کانسٹیبل کے چہرے کے خوفناک تاثرات دیکھ کر میں نے چپ سادھ لی۔تھوڑی دیر گزری تھی کہ مجھے بھاری بوٹوں کی دھمک سنائی دی۔ چند لمحوں میں میرے سامنے چند پولیس والے جن میں ایک سینئر افسر تھا۔

"اوئے۔تو عادی مجرم لگتا ہے۔کس گروہ سے تعلق ہے تیرا۔" وہ آفیسر لاک اپ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"نہیں۔سر میں بے قصور ہوں۔"

"اوئے۔ناٹک مت کر۔وہ لڑکی تیری ماں تھی اور وہ قیدی تیرا باپ جسے تو نے مار دیا۔" وہ مجھے ٹھڈا مارتا ہوا بولا۔اس کے بوٹوں کی ضرب بہت زوردار تھی۔میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"پیار سے اپنے گروہ کا نام اور اپنے جرموں کی تفصیل بتا دے ورنہ شیر خان کی مار سے پتھر بھی گانے لگتے ہیں۔" شیر خان کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میرا کوئی گروہ نہیں۔میں بے گناہ ہوں۔"

"بے گناہ کا بچہ۔تیرے فنگر پرنٹس اور آلہ قتل پر پائے جانے والے نشانات میچ ہو گئے ہیں اور وہ ایس ایم ایس جو تو نے اس لونڈیا کو کیے تھے پولیس کو مل گئے ہیں۔اب تو...... پھانسی سے تجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔بہتری اسی میں ہے کہ پولیس کی مدد کر۔اپنے گروہ کا نام پتہ بتا اور سرکاری گواہ بن، پھانسی سے بچ جائے گا۔" شیر خان طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"میرا کوئی گروہ نہیں میں بے گناہ ہوں۔" میں نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔اسکا مطلب تو لاتوں کا بھوت ہے۔" انسپکٹر مسکرا کر اٹھا اور میرے بال پکڑ لئے۔اس کے بعد جو ہوا وہ سوچتے ہوئے دل تھرا جاتا ہے۔آج معلوم ہوا تھا کہ تھرڈ ڈگری کیا ہوتی ہے۔

ان جلادوں کے جانے کے بعد، میں اپنی تازہ چوٹوں کا ماتم کرنے لگا۔ آنکھیں درد اور بھوک کی شدت نے جان عذاب کی ہوئی تھی۔ کچھ ہی پل گزرے ہوں گے مجھے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ آواز قدموں کی آہٹ سے مشابہہ تھی۔ شاید پھر کوئی پولیس والا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو میری آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ وہی دشمن جاں۔ دیال لاک اپ میں موجود تھا۔

''تم۔ یہاں۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔ دیال ہر جگہ آ جا سکتا ہے تم میری قوت کا معمولی نمونہ دیکھ چکے ہو۔'' وہ مسکرایا۔

''تم۔ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ کون سا بدلہ نکال رہے ہو۔'' میں نے درد سے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

''تم میرے ساتھ چلو۔ یقین مانو۔ میرا ساتھ دینے میں ہی فائدہ ہے۔''

''کیا فائدہ ہے۔''

''اگر میرا ساتھ دو گے تو جان بھی بچے گی اور دس کروڑ بھی ملیں گے۔'' وہ مسکرایا۔

''دس کروڑ۔'' میرا منہ فرط حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں۔ جس خزانے کی تلاش میں ہوں اسکا نقشہ اور اس خزانے تک مجھے تم ہی لے جا سکتے ہو۔'' اس نے ایک ہی سانس میں اپنی بات مکمل کی۔

''خزانہ۔ دس کروڑ۔'' میں نے سکتے کی سی کیفیت میں جواب دیا۔

''ہاں۔ دس کروڑ۔ اتنے پیسے تم سات جنم بھی نہیں کما سکتے۔''

''یہ بات پہلے بھی کر سکتے تھے۔ مجھے پھنسایا کیوں۔''

''تم پیار سے ماننے والے نہیں تھے اسلئے تھوڑا سبق دیا۔''

''میں تیار ہوں۔ مگر پہلے مجھے جیل سے نجات دلواؤ۔''

''ہاں۔ دیال دوستوں کا دوست ہے۔ میرا ہاتھ پکڑ لو۔''

اسکے کہنے پر میں نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ پھر مجھے ایسا لگا کہ میرے اردگرد اندھیرا چھا گیا ہو۔ اندھیرا چھٹا تو میں نے دیکھا کہ میں ایک سجے سجائے عالیشان بیڈروم میں موجود

ہوں اور بیڈ پر لیٹا ہوں۔ کمرہ نہایت ٹھنڈا تھا اور دیال نہایت قیمتی سوٹ میں کرسی پر موجود ہے۔

''ہم کہاں ہیں۔'' میں نے کراہتے ہوئے پوچھا۔ چوٹوں میں درد اور بھوک سے برا حال تھا۔

''غریب خانہ پر۔'' اس نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

''لگتا ہے۔ درد بہت ہے اور بھوک لگی ہے۔''

میں نے سر ہلایا۔ میرے سر ہلاتے ہی وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ چند لمحے گزرے ہوں گے کہ کمرے کے پرسکون ماحول میں مجھے نیند آنے لگی تھی۔ میں اونگھنے والی کیفیت میں تھا کہ مجھے کسی نے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ دیال ہاتھ ایک مٹی کا پیالہ لئے کھڑا تھا۔

''اسے پی لو۔ یہ دیوتاؤں کا وردھان ہے۔ درد و بھوک پیاس کا علاج۔'' اس نے پیالہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ میں نے لرزتے ہاتھوں سے پیالہ لے لیا۔ پیالہ لیتے ہی ایک عجیب سی کراہیت آمیز بدبو مجھے محسوس ہوئی۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

''پی لو اسے۔ چپ چاپ یہ دیوی کا امرت ہے۔'' اس نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔

میں نے اس مٹی دیکھا کہ اس پیالے میں گاڑھا سا مشروب موجود تھا۔ اس مشروب کا رنگ بالکل سوکھے ہوئے خون جیسا تھا۔

''پی جاؤ اسے۔'' اسکا لہجہ سرد تھا

دوسرے پل اس بدبودار مشروب کو میں نے نہ چاہتے ہوئے ہونٹوں سے لگا لیا۔ مشروب کا ذائقہ تھوڑا تلخ تھا۔ حلق سے نیچے اترتے ہی مجھ پر سرور سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ چند لمحوں کے بعد درد اور بھوک کا احساس جاتا رہا۔ میرا دماغ سرور کی سی کیفیت میں آ گیا تھا جبکہ دیال کے لبوں پر بڑی ہی پراسراری مسکراہٹ تھی۔ لمحاتی توقف کے بعد وہ گویا ہوا۔

''آج پورن ماسی کی رات ہے۔ آسمان پر پھر چاند چمکے گا اور تم میری وہ چیز نکال دو گے۔''

''ہاں ضرور۔ مگر وہ ہے کیا چیز۔'' میں نے سرور بھرے لہجے میں پوچھا۔

’’اس جوہڑ میں وہ نقشہ ہے۔ جو تم مجھے دو گے۔ اس کے بعد خزانے کی تلاش شروع ہوگی جس میں تم میرا ساتھ دو گے۔ خزانہ ملنے کے بعد دس کروڑ روپے تمہارے۔‘‘ دیال مسکراتے ہوئے بولا۔

’’مگر ایک بات میری سمجھ نہیں آئی۔ جب تم اتنی شاہانہ زندگی گزارتے ہو اور تمہارے پاس اتنی دولت ہے تو خزانے کے لئے اتنی جوکھم اٹھانے کی کیا ضرورت۔‘‘ میں نے بیڈروم کی سجاوٹ دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میری بات کا دیال نے جواب نہیں دیا بلکہ میری بات سن کر اسکے چہرے کے تاثرات عجیب ہو گئے۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا کہ بات صرف دولت کی نہیں اور کچھ بھی ہے۔ دیال جو نظر آتا ہے وہ ہے نہیں۔

رات ہوئی ہم دونوں کار میں سوار ہو کر اس جوہڑ کی طرف نکل کھڑے ہوئے آسمان پر پورا چاند تھا۔ ٹھنڈی اور خوشگوار ہواؤں نے موسم سہانا کر دیا تھا۔ ہم اسی وادی میں پہنچ چکے تھے۔ میں نے اس جوہڑ میں ہاتھ ڈالا۔ میرے ہاتھ ایک سخت چیز سے ٹکرائے۔ میں اس ٹھوس چیز کو باہر نکال رہا تھا کہ میرے کانوں سے تیز چیخ ٹکرائی۔ میرا ہاتھ لرز گیا۔ چیخ کسی خاتون کی تھی۔ آواز میں درد اور کرب دونوں کی آمیزش تھی۔ چیخ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ امکان تھا کہ میرے ہاتھ سے وہ چیز دوبارہ نکل جاتی مگر میرے بروقت حواس برقرار رکھنے کے سبب وہ چیز میں نے باہر نکال لی۔

وہ ایک منقش صندوق تھا جو کہ نہایت خوبصورت تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ صندوق کیچڑ میں پڑا ہونے کے باوجود بھی نہایت صاف ستھرا تھا۔

دیال کسی ندیدے بچے کی طرح اس صندوق کی جانب لپکا تھا اور فوراً اس صندوق کو کھول لیا۔ صندوق کے کھلتے ہی ہلکی سی روشنی نکلی۔ میں نے دیکھا کہ صندوق میں چمکدار تہہ شدہ کاغذ موجود ہے۔ کاغذ دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ وہ کاغذ کسی مردہ جانور کی چمڑی سے تیار کیا گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ دیال کی آنکھوں میں لالچ بھری چمک ظاہر ہونے لگی ہے۔

✿......✿......✿

دیال اور میں وہ منقش صندوق لے کر اس وادی سے آ گئے تھے۔

دیال نے نقشہ کھولا اور غور سے دیکھنے لگا۔ نقشے کو دیکھ کر بار بار سر ہلانے لگتا۔ اس کی پراسراری مسکراہٹ

دوڑ جاتی، کبھی وہ مطمئن انداز میں سر ہلانے لگتا۔ نقشہ نہایت پیچیدہ، مشکل تھا اور تین حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلا حصہ نہ سمجھ آنے والی عبارات پر مشتمل تھا جیسے کوئی بہت ضروری بات بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ دوسرا حصہ تصویروں پر مشتمل تھا جس میں مختلف جانوروں، درندوں، دیویوں کی تصویریں تھیں۔ کسی تصویر میں دیوی کو بلی دی جارہی تھی۔ بلی کے پس منظر میں چاند نمایاں نظر آرہا تھا۔ دوسری تصویر میں اسی دیوی کی عبادت کی جارہی تھی۔ عبادت کے پس منظر میں بھی چاند نمایاں تھا۔ تمام تصویروں میں چاند کو نہایت اہمیت دی گئی تھی۔ تیسرے حصہ میں زاویہ، آڑی ترچھی لکیریں اور مثلث دائرے وغیرہ نظر آرہے تھے۔ نقشے کو دیکھ کر دیال سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ایسی چمک تھی جیسے اس نے منزل کو پالیا ہو۔

''کیا تم اس نقشہ کو پڑھ سکتے ہو؟'' میں نے اس نقشے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں آج دیال کی برسوں کی تپسیا پوری ہوگئی۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ اچانک اس نے ایسی حرکت کی جس سے میں گھبرا گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور بلند آواز میں نہ جانے کس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''دیکھو ست پال! تم ہار گئے۔ تم نے جو راز مجھ سے چھپایا تھا۔ دیکھو میں نے اسے پالیا۔ اب میری منزل زیادہ دور نہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ بلند آواز میں قہقہے لگانے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بھول گیا ہو کہ میں اس کے پاس ہوں۔ اچانک اس نے سر جھکا لیا ہے اور آنکھیں بند کرلیں۔ چند لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو سرخ تھیں جیسے ان میں خون اتر آیا ہو۔ مجھے ان سے ڈر لگنے لگا تھا۔ اچانک وہ میری جانب دیکھ کر بولا۔

''آج میں بہت خوش ہوں۔ میری برسوں کی آرزو پوری ہونے جارہی ہے۔''

''ہاں۔ تم امیر بننے والے ہو۔ تم نے بتایا تھا لیکن ایک بات ہے جو مجھے پریشان کررہی ہے۔ تم صرف نقشہ کے حصول کے لئے مجھے دس کروڑ کیوں دے رہے ہو۔ جبکہ تم خود بھی نکال سکتے تھے۔''

میری بات کر وہ مسکرایا اور چند لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا۔

''نقشہ ہی نہیں خزانہ تک میرے ساتھ ہو اور دوسری بات یہ کہ میں نے تم کو بتایا تھا کہ تم چندر پتر ہو۔ اور وہ نقشہ تم ہی نکال سکتے تھے۔ اور کوئی نہیں۔ اگر میں نکالنے کی کوشش کرتا تو مجھے نقصان اٹھانا پڑتا''

''کیسا نقصان؟'' میں نے تشویش سے کہا۔

”جان کا اور کیا۔ یہ نقشہ خاص عمل سے سدھ (گزارا) کیا گیا ہے اس لئے اسے صرف چندر پتری نکال سکتا ہے۔ صرف نقشے میں ہی نہیں خزانہ ڈھونڈنے تک تم ساتھ ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم دھوکا دوں گا۔ ایسا نہیں ہے تم آخر تک میرے کام آنے والے ہو۔ اور دیال احسان فراموش نہیں ہے۔“

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ بات صرف خزانے کی نہیں کچھ اور بھی ہے نقشے کے لئے اتنی بے قراری اور عجیب سی حرکت نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ نہ جانے ست پال کون تھا جسکا اس نے نام لیا تھا۔

”یہ ست پال کون ہے؟“ اچانک میں نے اس سے پوچھ لیا۔

اچانک میں نے دیکھا کہ ست پال کا نام سن کر وہ ایسے چونکا کہ جیسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔ اس نے فوراً میرا گریبان پکڑ لیا۔ اسکا چہرا لال ہو گیا تھا۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرایا۔

”دشمن ہے وہ میرا۔ دشمن۔ اسکی وجہ سے آج میں دربدر ہوں۔ دوبارہ اسکا ذکر مت کرنا۔ ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔ وہ منہ کھول کر غرایا۔ اور باہر نکل گیا۔ اس کا غصہ دیکھ کر میں سہم گیا تھا۔ اس قدر غصے میں، میں نے اس کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے دیال نہیں کوئی اور ہو۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ بات خزانے کے علاوہ اور کچھ بھی ہے لیکن کیا، یہ میں نہیں جانتا تھا۔ کچھ سیکنڈ بعد وہ اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ نارمل حالت میں تھا۔

”معاف کرنا۔ میں غصہ میں آ گیا تھا“ اس نے ندامت کا اظہار کیا۔

”کوئی بات نہیں۔ مجھے معاف کرنا۔ مجھے کوئی حق نہیں تمہارے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا۔“ میں نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ میری بات پر وہ مسکرا دیا۔ چند لمحوں کے بعد دیال بولا۔

”میں اپنی تنتر ودیا کی مدد سے اس پراسرار نقشے کو پڑھ چکا ہوں۔ یہ نقشہ تاریک وادی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس راز سے پردہ چاک کرتا ہے جس کے بارے میں دنیا نہیں جانتی۔ یہ راز نہایت پراسرار اور خوفناک ہے۔ ایک پوری تہذیب کی داستان اس میں موجود ہے۔ یہ داستان میرے حساب سے تین ہزار سال پرانی ہے۔ میں تم کو پڑھ کر سناتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر اس نے نقشہ میز پر پھیلا دیا۔

”میں اس نقشے کے پہلے حصے کو پڑھنے جا رہا ہوں۔“ اتنا کہہ کر اس کا لہجہ ڈرامائی ہو گیا جیسے کسی بہت بڑے راز کو افشا کرنے جا رہا ہو۔ دیال نے بولنا شروع کر دیا۔

”میرا نام دگراج ہے۔ میں بھارت ورش کی ایک ریاست چتیم پور کا تاریخ دان ہوں۔ اے چندر پتر! اگر تو نے اس نقشے کو کھول لیا ہے تو یہ جان لے کہ اس قدیم راز کو کھوجنے کا خیال دل سے نکال دے بے شک دھن و دولت سے بڑی انسان کی جان ہے۔ اس منحوس خزانے سے ایک شراپ ایک شپت (قسم) وابستہ ہے تاکہ وہ قسم پوری نہ ہو اس لیئے اس نقشے اور خزانے کو ایک خاص قسم کے پوتر عمل سے سدھ کیا گیا تاکہ وہ اپنی قسم پوری نہ کر سکے۔ اگر تیرے ہاتھ لگائے بغیر اس نے نقشہ کو ہاتھ لگایا تو وہ جل کر بھسم ہو جائے گا۔“

میں نے دیکھا کہ نقشے کو پڑھتے ہوئے دیال کے چہرے کے تاثرات عجیب ہو گئے ہیں۔ دیال بولتا رہا۔

”اے چندر پتر! بھگوان نے اس دنیا میں پانچ عناصر پیدا کیئے۔ اول خاک، دوم آگ، سوم پانی، چہارم ہوا، پنجم آکاش۔ اسی طرح برہم دیو نے انسان کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اول برہمن، دوم چھتری، سوم ویش، چہارم شودر۔ برہمن کا کام پوجا پاٹ دھرم کرم کے کاموں کو کرنا ہوتا تھا۔ چھتری کا کام تجارت ملک و سیاست کی باگ ڈور ان کے ذمہ تھی۔ ویش کا کام ریاست کی رکھشا کرنا ہوتا تھا۔ اس میں فوجی وغیرہ آتے تھے جبکہ شودر ان تمام ذاتوں کی خدمت کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ شودر نہ مندر جا سکتے تھے نہ اس راستے سے گزر سکتے تھے جس راستے سے برہمن وغیرہ گزرتے تھے۔

بھگوان نے راجا دریودھن کو پانچ بیٹوں سے نوازا مگر بیٹی سے محروم رکھا۔ راجا روزانہ مندر جاتا، بھگوان کے دوار ماتا ٹیکتا مگر بیٹی سے محروم تھا۔ ایک روز اسے بیٹی ہوئی۔ اسکا نام سب نے مل کر راجکماری بھاگ متی رکھا۔ راجکماری نے پریوں سی سندرتا پائی تھی جو اس کو دیکھ لیتا اس کے حسن کا دیوانہ ہو جاتا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ بڑے مندر کا پجاری بھی راجکماری کے حسن کا دیوانہ ہے۔ راج کماری روزانہ جھیل کی سیر کو جاتی اور کنیزوں کے ساتھ اشنان کرتی۔ جب وہ جھیل جاتی تو اس کے ساتھ حفاظتی دستے کے خاص سنیک ہوتے۔ وہ سنیک جو راجکماری کی حفاظت پر مامور تھے۔ راجا کے حکم سے ان کو نامپنسک (نامرد) کیا گیا تاکہ وہ راجکماری پر بری نظر نہ ڈال سکیں اور اس جھیل سے میلوں پر راجا کے سپاہی ہوتے لیکن وہ پجاری اس کو چھپ چھپ کر دیکھتا۔ ایک روز راجکماری نے

اسے دیکھ لیا مگر اس نے شکایت کرنے کی بجائے تنبیہہ دے کر چھوڑ دیا۔ پجاری ست نارائن کی آنکھوں میں راجکماری کو ہوس نظر آتی تھی۔ بھاگ متی جانتی تھی اگر اس نے پجاری کی شکایت کی تو اسکا محل سے باہر نکلنا بند ہو جائے گا اور پجاری کو موت کی سزا ملے گی۔

راج کماری کا رتھ روزانہ شام چار بجے واپس محل کی طرف واپسی کے لئے روانہ ہوتا تھا۔ اس سے قبل ایک سپاہی لال رومال لے کر گھوڑے پر نکلتا تا کہ لوگوں کو یہ خبر ہو جائے کہ راج کماری کا رتھ گزرنے والا ہے تا کہ لوگ رتھ کے راستے سے ہٹ جائیں۔ اس روز آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ جب یہ انرتھ ہوا۔ ہلکی بوندیں فضا میں مستی پیدا کر رہی تھیں۔ راجکماری کا رتھ جھیل والے راستے سے محل کی جانب نکلا۔ راستے میں دریا اور نیچ ذات والوں کی بستی پڑتی تھی۔ جیسے ہی رتھ دریا کے نزدیک پہنچا، نہ جانے کہاں سے ایک نوجوان اس رتھ کے سامنے آ گیا۔ نوجوان نے دیکھا کہ سینکڑوں کنیزوں کے جھرمٹ میں نہایت خوبصورت راجکماری ایک عماری میں بیٹھی ہے۔ کنیزیں مور جھل رہی ہیں۔ عطر اور مختلف خوشبویات چھڑکی جا رہی ہیں۔ نوجوان پر شوق نظروں سے اس راجکماری کی سواری کو گزرتے دیکھ رہا ہے۔ ان نگاہوں میں ہوس نہیں بلکہ شاہی سواری دیکھنے کا شوق پایا جاتا تھا۔ نوجوان کی عمر اکیس، بائیس کے درمیان تھی۔ اس کے جسم پر نہایت معمولی لباس تھا۔ ہنٹر بردار شاہی غلاموں نے یہ دیکھا تو ان کو بہت غصہ آیا۔ وہ اس نوجوان کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے۔

''او حرمزادے۔ تو نے راجکماری کو دیکھنے کی جرأت کی۔'' ہنٹر بردار غلام غصے سے بولے۔

''کیوں۔ راجکماری تمہاری بہن ہے۔'' نوجوان نے بے باکی سے جواب دیا۔

راجکماری نے جب اس نوجوان کا برجستہ جواب سنا تو دل ہی دل میں مسکرانے لگی۔ اسے یہ نوجوان بہت اچھا لگا۔ اس کی آنکھوں میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔

''کتے، نیچ۔ ہم تجھ کو زندہ گاڑ دیں گے۔'' سپاہی غصے سے بولے۔

نوجوان نے اس کی جانب دیکھا۔ دوسرے پل وہ تلوار لے کر اس کی طرف بڑھے لیکن نوجوان نے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اس کو دھکا دیا جس کی وجہ سے وہ سپاہی گھوڑے سے گر پڑا۔ اب تو سارے سپاہی اس پر پل پڑے تھے اور چند ہی منٹوں میں نوجوان کو زخمی کر کے گرا دیا تھا اور رسیوں سے باندھ کر محل کی جانب لے

چلے تھے۔

راجکماری کے دل میں اس نوجوان کے لئے نرم گوشہ پیدا ہونے لگا تھا۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس نوجوان کی حرکت اسے نہایت بھاری پڑے گی۔چنانچہ وہ نہایت بجھا دل لے کر اپنی خواب گاہ میں واپس چلی گئی تھی۔

اے چندر پتر! اس نوجوان کو دربار میں پیش کیا گیا۔زنجیروں میں جکڑا یہ نوجوان راج دربار میں پیش ہوا۔ ہر درباری اور راجا ہر شخص کی نگاہوں میں اس نوجوان کے لئے اکروش (غصہ) تھا مگر اس نوجوان کی نگاہوں میں کسی بھی طرح کی ندامت کا احساس نہ تھا بلکہ وہ نوجوان ان سب کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جن میں حقارت کا احساس نمایاں تھا جیسے کہ وہ سب اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہ رکھتے ہوں۔

اچانک ایک شخص اٹھا۔اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا منقش ڈنڈا تھا اور اس نے اس راجا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اے سورج دیوتا کے اوتار۔اے اندر دیوتا کے راجا۔چمپور کی عظیم ریاست میں تیرا اقبال بلند ہو۔اس دلت نوجوان نے شاہی سواری کے سامنے آ کر راجکماری کو دیکھا۔''

اتنا سننا تھا کہ راجا دریودھن اور اسکے پانچوں غصے سے کانپنے لگے تھے۔

''ہم ادیش دیتے ہیں۔اس گستاخ نوجوان کو سو کوڑے مارے جائیں۔اگر زندہ بچ جائے تو اسے دلتوں کی بستی میں پھینک دیا جائے۔دوبارہ یہی حرکت کرنے کی صورت میں زندہ جلا دیا جائے۔'' اتنا کہہ کر راجا اٹھ کھڑا ہوا دربار برخاست ہو گیا۔

راجکماری بھی اس دربار میں موجود تھی۔اس کو یہ فیصلہ پسند نہ آیا مگر وہ مجبور تھی چنانچہ اس نے رات میں دلتوں کی بستی جانے کا فیصلہ لیا۔رات دو بجے اس نے اپنی ایک خاص ملازمہ کو اعتماد میں لے کر چھپ چھپا کر محل کے خفیہ راستے سے بحفاظت محل سے باہر نکل آئے، یہ خفیہ راستہ جس سے صرف اور صرف شاہی خاندان کے لوگ ہی باہر جا سکتے تھے یہ راستہ جنگ ہونے کی صورت میں فرار کے لئے بنایا گیا تھا۔یہ راستہ ایک ایسی پہاڑی کھوہ سے باہر نکلتا تھا جہاں سے سرحد نزدیک تھی۔ٹھنڈی اور خوشگوار ہواؤں نے موسم کو نہایت دلفریب بنا رکھا تھا۔وہ دونوں گھوڑے کو آرام سے چلاتی پہاڑی اترائی سے نیچے اتر رہی تھیں۔دفعتاً ملازمہ نے بھرائی ہوئی آواز

میں راج کماری کو مخاطب کیا۔

''راج کماری جی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اگر سپاہیوں کو پتہ چل گیا تو مجھے زندہ گاڑ دیں گے۔''

راج کماری نے اسکی آواز میں لرزش کو صاف محسوس کیا تھا۔

''تم چنتا مت کرو۔ بھگوان نے چاہا تو کچھ نہیں ہوگا۔ ویسے بھی اس خفیہ راستے سے میرے بعد صرف تم واقف ہو۔ اور یہاں کوئی سپاہی بھی نہیں ہوتا۔'' راج کماری مسکرائی۔

کنیز نے کوئی جواب نہ دیا بس وہ چلتے ہی رہے۔ پہاڑ اترنے کے بعد وہ دونوں تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے اور گھوڑے فضا سے باتیں کرنے لگے تھے

✿......✿......✿

وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی جو کہ گھاس پھونس اور بانس کے ڈنڈوں کی مدد سے کھڑی کی گئی تھی۔ جھونپڑی پر بانس کے ڈنڈے پر ایک لالٹین لٹک رہی تھی۔ دروازے پر پرانا سا ٹاٹ کا پردہ لٹک رہا تھا۔ لالٹین کی روشنی نے بہت تھوڑا سا حصہ محیط کیا ہوا تھا۔

''ناش ہو۔ کیڑے پڑیں اس راجا کے تن میں۔ میرے معصوم بچے کا حال بنا دیا۔'' اندر سے ایک عورت کی روتی آواز سن کر راجکماری رک گئی۔ راج کماری کب سے موہنی جو کہ اس کی ذاتی کنیز تھی دلتوں کی بستی میں گھوم رہی تھی۔ رات کے اندھیرے میں بستی میں اس نوجوان کو ڈھونڈنا آسان نہ تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز سناٹے میں تھوڑی دیر کے لئے ارتعاش پیدا کرتی۔ یہ چند لمحوں کا ہوتا پھر وہی سناٹا چھا جاتا۔

''لگتا ہے یہی گھر ہے۔'' کنیز نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

''لگتا تو یہی ہے۔'' راج کماری نے جواب دیا۔

''پھر دروازہ بجائیں۔''

''نہیں۔ چپ کر کے سنتی رہو۔''

کنیز نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھہر، میں ویدجی کو جگا کر ان سے لیپ لے آتی ہوں۔ درد میں آرام آجائے گا۔'' عورت نے بھرائی

آواز میں کہا۔ چند لمحوں کے بعد ایک عورت باہر نکلی۔ اسے باہر نکلتا دیکھ کر راج کماری پیچھے ہٹ گئی۔ عورت راجکماری کو دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی۔

جھونپڑی کے اندر نیم اندھیرا تھا۔ راجکماری نے دیکھا، ایک پرانی سی ٹوٹی ہوئی چارپائی پر وہی نوجوان کراہ رہا ہے۔ جھونپڑی کی چھت سے بانس کی مدد سے ایک لالٹین لٹک رہی تھی۔

''پانی۔'' نوجوان کراہا۔ یہ سن کر راجکماری فوراً دروازے کے دائیں جانب رکھے مٹی کے گھڑے کی جانب لپکی اور مٹی کے پیالے سے پانی نکال کر پیالہ اس نوجوان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ نوجوان نے نیم وا آنکھوں سے راج کماری کو دیکھا اور نیم اندھیرے میں بھی اس نے راج کماری کو پہچان لیا۔ دوسرے پل اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

''آپ۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا۔

''جی۔''

''ہم نیچوں میں آپ کا کیا کام۔ آپ اچھوت ہو جائیں گی۔'' نوجوان کراہتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' راجکماری مسکرائی۔

''جے دیو۔''

''دیکھو جے دیو! بھگوان نے سارے منش ایک سمان بنائے ہیں۔ کوئی دلت نہیں، کوئی برھمن نہیں۔'' راجکماری سنجیدگی سے بولی۔

نوجوان راجکماری کو حیرت سے دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ ایسی باتیں اس نے کبھی کسی برھمن کے منہ سے نہیں سنی تھیں جبکہ کنیز بھی راجکماری کی باتوں سے حیران تھی۔

''مہاراج نے بہت ظلم کیا تم کو کوڑے لگوائے۔'' راجکماری نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

''بہت دیا کی انہوں نے، راجکماری جی جو انہوں نے جان سے نہیں مارا۔'' جے دیو طنزیہ بولا۔

''شاہی وید سے لیپ لائی ہوں تمہارے لئے۔'' اتنا کہہ کر اس نے اپنے لبادے سے سونے کی چھوٹی کٹوری نکالی اور اس سے مرہم نکال نکال کر اس کے زخموں پر ملنے لگی۔ جے دیو کو نہایت سکون محسوس ہوا تھا اور درد

جاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اسی پل جے دیو کو ایسا لگا کہ بھگوان نے راجکماری کو صرف اسکے لئے بنایا ہے۔ مرہم لگاتے ہوئے اسی لمحے جے دیو نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ بالکل ہی غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔ دوسرے ہی پل جے دیو نے فوراً ہاتھ چھوڑ دیا مگر راج کماری کا چہرہ شرم سے لال ہو چکا تھا۔

"شما چاہتا ہوں راجکماری جی۔"

راجکماری نے کوئی جواب نہ دیا اور باہر نکل گئی لیکن جے دیو اس کے ہونٹوں کے کناروں پر دوڑتی ہوئی شرمیلی مسکراہٹ دیکھ چکا تھا۔

"اگر اس نے مہاراج کو شکایت کر دی تو......" کنیز کی آواز میں خوف تھا۔

"نہیں کرے گی۔" جے دیو مسکراتے ہوئے بولا۔ کنیز نے اسکی طرف دیکھا اور تیزی سے راجکماری کے پیچھے نکل گئی۔

راج کماری کو ساری رات نیند نہ آئی۔ محبت کی اگنی دونوں طرف جل چکی تھی۔

❁.......❁.......❁

"اے چندر پتر! راجکماری کو معلوم نہ تھا کہ یہ کھیل آگ اور پانی جس طرح زمین اور آسمان ایک نہیں ہو سکتے اسی طرح گنگا کا پوتر پانی کیچڑ سے نہیں مل سکتا اور نہ ہی اونچ اور نیچ کا ملاپ ہو سکتا ہے۔ راجکماری اب روزانہ رات کے اندھیرے میں ملنے جانے لگی۔ ہمیشہ اس کے ساتھ اس کی خاص کنیز ضرور ہوتی جوان کی محبت کی رازدار تھی۔ کبھی جیدیو پرانے کھنڈرات میں ملتا کبھی ٹھیکری پر اور کبھی شیو مندر میں۔ مگر یہ زیادہ نہ چل سکا۔ ایک روز اس پجاری نے دیکھ لیا جو راج کماری کا طلبگار تھا۔ اس نے راج کماری کو خفیہ راستے سے باہر جاتے دیکھا۔ خفیہ راستہ جہاں نکلتا تھا اس سے پہاڑوں پر کالی کا مندر تھا جہاں پجاری ہر اماوس کی رات کسی نہ کسی جانور کی بلی دیتا۔ یہ بات راجکماری کو معلوم نہ تھی۔ پجاری چونکہ کالی کا پجاری تھا، کالی کی خوشنودی کے لئے اپنے کالے علم میں اضافہ کے لئے وہ ہر سال بلی دیتا۔ بلی دے کر وہ باہر ہی نکلا تھا کہ دوسرتا پا نقاب میں ملبوس گھڑ سواروں کو جاتے دیکھ کر پجاری کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کا فاصلہ رکھ کر دونوں گھوڑوں کا پیچھا کیا۔ دونوں گھوڑے پرانی جھیل کی جانب جا رہے تھے۔ پرانی جھیل پانی نہ ہونے کے سبب خشک ہو چکی تھی۔ وہ جھیل بھوری چٹانوں

کے بیچ چھپی تھی۔

جب پجاری اس طرف پہنچا تو جو منظر اس کے سامنے تھا وہ منظر دیکھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ رات اندھیری تھی مگر اس کی تیز نظروں نے اندھیرے میں راج کماری کو پہچان لیا۔ راج کماری بھاگ متی ایک پتھر پر اس دلت جسے کوڑے لگے تھے ہاتھ میں ہاتھ دیئے بیٹھی تھی اور وہ کنیز چوکنی ہو کر نگرانی کرنے میں لگی تھی۔ یہ سب دیکھ کر اس سے برداشت نہ ہوا کہ اس کی محبت پر ایک دلت قبضہ کر لے چنانچہ وہ ننگی تلوار لئے ان دونوں کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ کنیز تو یہ منظر دیکھ کر بے ہوش ہو گئی۔

''ذلیل۔ تو نے راج محل کی عزت پر ہاتھ ڈالا۔'' پجاری غصے میں پھنکارا۔

''ہم پریم کرتے ہیں اس سے پجاری جی۔'' راجکماری نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''ہمارا پریم سچا ہے۔ ہم وواہ کرنا چاہتے ہیں۔'' جے دیو نے بھی پرسکون لہجے میں راجکماری کی تائید کی۔

''پریم۔ راج کماری! یہ کم نسل ہے آپ اس کے جال میں کیسے پھنس گئیں۔'' پجاری طنزیہ انداز میں بولا۔

''پجاری۔'' راجکماری چلائی۔ کوئی نیچ نہیں۔ اوپر والے نے سارے انسان ایک جیسے بنائے ہیں۔''

''اگر ایک جیسے ہوتے تو ہماری جگہ مندر میں ہوتے یا پھر آپ کی جگہ راج گدی پر۔'' پجاری غصے سے بولا۔

''واہ پجاری جی، کیا وچار ہیں آپ کے۔ اگر میں مہاراج کو بول دوں کہ آپ ہمیں نہاتے ہوئے دیکھتے ہیں جانتے ہیں پھر کیا ہوگا۔'' راج کماری طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

''وہ تو بعد میں ہوگا۔ لیکن ابھی میں اسے نہیں چھوڑوں گا راجکماری۔'' اتنا کہہ کر پجاری نے تلوار سے حملہ کر دیا۔ تلوار کا بڑا اچھا تلا اور گھاتک (خطرناک) تھا۔ جیدیو کا بازو زخمی کر گیا۔ اب تو اس پر جیسے غصہ سوار ہو گیا۔ جے دیو نے اپنی تلوار بغل سے نکالی اور ایک ہی بھرپور وار سے پجاری کی تلوار گرا دی۔ اب پجاری نہتا تھا۔ جے دیو نے تلوار پجاری کے سامنے ڈالتے ہوئے راجکماری کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''پجاری جی! آپ دھرم کے بڑے ہیں ہم آپ کی عزت کرتے ہیں۔ ہم لڑنا نہیں چاہتے برائے مہربانی آپ چلے جائیں یہاں سے۔''

پجاری نے کوئی جواب نہ دیا بس ہونٹ چباتا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ لیکن اس نے دل ہی دل میں تہیہ

کرلیا تھا کہ وہ بدلہ ضرور لے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ اس کے جانے کے بعد راجکماری تشویش زدہ لہجے میں بولی۔

''تم نے اچھا نہیں کیا کہ اس کو جانے دے کر۔ یہ آدمی ناگ سے بھی زہریلا ہے۔''

جے دیو مسکرایا'' کچھ بھی نہیں ہوگا راجکماری۔ پریم جیر کو بھی امرت بنا سکتا ہے۔''

''میں کل ہی مہاراج سے سب کہہ دوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ مہاراج ناں نہیں کریں گے۔''

''ارے، اس کنیز کو ہوش میں لاؤ ذرا۔'' جے دیو ہنس کر بولا اور وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اس کنیز کی جانب بڑھ گئے۔

✿......✿......✿

راجکماری نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ سانپ کی فطرت میں ڈسنا ہی لکھا ہے اور وہ ڈس کر ہی رہتا ہے۔ راجکماری جب تک مہاراج کے پاس جاتی اس وقت تک پجاری نے جا کر یہ بات مہاراج سے کہہ دی تھی۔ یہ ایک ایسا بھونچال تھا جس نے شاہی ایوان ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ راتوں رات راجکماری کو نظر بند کر دیا گیا اور ردعمل کے طور پر اس بستی میں آگ لگا دی گئی۔ دھرتی بہت سے دلتوں سے پاک ہوگئی جبکہ اس دھکاری (ملعون) منش جے دیو کو پھانسی کا حکم سنایا گیا۔

رات کا وقت تھا۔ آسمان پر پورا چاند تھا۔ جے دیو کو پھانسی گھاٹ پہنچایا گیا۔ ادھر راجکماری کو اطلاع مل گئی کہ جے دیو کو پھانسی گھاٹ لے جایا گیا ہے۔ راجکماری خفیہ راستے سے باہر نکلی۔ اتفاقاً اس راستے پر پہرا نہ تھا مہاراج کے خیال میں نظر بند کرنا کافی تھا۔ پھانسی گھاٹ پر راجا، راجکماریاں اور سارے پنڈت پجاری موجود تھے۔ وہ پجاری بھی موجود تھا جسکا نام ستپال آنند تھا جو راجکماری کا طلبگار تھا۔ پجاری فاتحانہ نظروں سے جے دیو کی طرف دیکھ رہا تھا جبکہ جے دیو کی نگاہوں میں خوف کی جگہ ایک عزم تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ تم محبت کرنے والوں کو مٹا سکتے ہو، محبت کو نہیں۔ جیسے وہ پھانسی گھاٹ پر پہنچا تو جے دیو نے بلند آواز میں سارے مجمع کو مخاطب کیا۔ سارے جے دیو کو نفرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کسی آنکھ میں ہمدردی نہ تھی۔ جے دیو ان باتوں کو محسوس کرنے کے باوجود بولا۔

''ایک وقت آئے گا۔ بھگوان نے چاہا ایک دن یہ چھوت چھات ذات پات بھید بھاؤ کا فرق ختم ہوگا۔

سارے انسان ایک سمان ہونگے۔ جب بھگوان نے دو کان، دو ہاتھ ایک جیسے دے کر پیدا کیا ہے تو پھر فرق کیسا۔ لیکن تم آج مجھے مٹا دو مگر ہم دوسرا جنم لیں گے۔ بھاگ متی میری ہو گی چاہے مجھے یوگوں تک انتظار کیوں نہ کرنا پڑے۔" اس کے الفاظ ختم ہوئے جلاد نے تختہ کھینچ لیا۔ سب لوگ نفرت بھری نظروں سے جے دیو کی لاش دیکھ رہے تھے۔

جیسے راج کماری گھاٹ پہنچی اس نے جے دیو کی لاش لٹکتے دیکھی۔ وہ چیخ کر جھولتی لاش کی جانب بھاگی مگر اس کو سپاہیوں نے پکڑ لیا۔ مگر اس نے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ دوسرے پل اپنی کمر سے لٹکا خنجر اپنے ہی پیٹ میں مار لیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی اور پھانسی گھاٹ کی سیڑھیوں سے پھسلتی نیچے جا گری۔

مرتے سمے اس کے لبوں پر صرف یہی لفظ تھے کہ ہم دوبارہ جنم لیں گے۔ اور راجا رعونت سے اپنی بیٹی کی لاش دیکھ رہا تھا۔ کسی کی آنکھوں میں دیا نہ تھی۔ سب یہی سوچ رہے تھے کہ ایک پاپن مری۔

دونوں کی موت کے بعد دھرماتماؤں نے کہا یہ دوسرا جنم ضرور لیں گے۔ چنانچہ پجاری نے راجا کو مخاطب کر کے کہا۔ "مہاراج! میرا گیان کہتا ہے کہ یہ دونوں دوسرا جنم لیں گے۔ یہ اس فرق کو ختم کریں گے جو بھگوان نے بنایا ہے۔ اس سے پہلے یہ جنم لیں میرے پاس ایک پرستاؤ ہے۔"

"کیا پرستاؤ ہے۔" راجا رعونت سے بولا۔

"میں اپنے عمل سے راجکماری کی لاش کو سونے کا بنا دوں گا۔ جب تک راجکماری کو چتا نہیں ملے گی یہ دوسرا جنم نہیں لے سکے گی۔ راجکماری کو سونے کا بنا کر ہم اسے تاریک وادی میں چھپا دیں گے جے دیو چاہے کتنے جنم کیوں نہ لے لے راجکماری کو ڈھونڈ نہیں سکے گا۔ اگر بالفرض ڈھونڈ لیا تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔ جب تک چندر پتر نہ آ جائے جب تک چندر پتر نہ چھوئے۔ اور میں ایسا عمل کروں گا کہ یہ آتمائیں کبھی نہ مل سکیں۔ یہی میرا بدلہ ہو گا۔"

"اے چندر پتر! راجکماری کی لاش کو سونے کا کر دیا گیا اور یہ لاش تاریک وادی میں دو چہروں والے مندر میں چھپا دی گئی۔ اے چندر پتر! اس سونے کی لاش کو تیرے سوا اگر کسی نے ہاتھ لگایا تو وہ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اور اگر جے دیو نے کسی طرح اس مندر کو ڈھونڈ لیا، راجکماری کی لاش کو ہاتھ بھی لگا لیا تو پھر اس پجاری کی آتما

اس کو روکے گی۔ تاریک وادی موت کی وادی ہے جو اس میں جائے گا وہ زندہ نہیں لوٹے گا۔"

✿......✿......✿

دیال خاموش ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دوران داستان دیال کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں نے محسوس کیئے تھے۔ کبھی وہ غصے میں آجاتا، کبھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ جاتی۔ یہ میرے لیئے عجیب وغریب تھا۔

"تو گویا وہ خزانہ ایک مورتی کی صورت میں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں۔ کم از کم میرے حساب سے اس مورتی کی قیمت ڈھائی ارب ڈالر تو ہو گی۔" دیال نے بھی مسکرا کر مجھے جواب دے

"ڈھائی ارب۔" میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "تم کو کیسے معلوم۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔ میری بات پر وہ گڑبڑا گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے اس سے جواب نہ بن پڑا ہو۔ دوسرے لمحے وہ مسکرایا۔

"اندازہ لگایا ہے۔" اس نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر جواب دیا اور پھر ہنس پڑا۔

"آج بہت خوش ہو۔"

"ہاں۔ آج میری برسوں کی آرزو پوری ہو گئی۔" اسکا لہجہ عجیب ہو گیا۔

میری سمجھ نہیں آرہا تھا کہ نقشہ پڑھنے کے بعد اسکا اتنا عجیب سا رویہ کیوں ہو گیا ہے۔ کبھی وہ خوش نظر آتا تو کبھی غمزدہ۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور اسی خیال کے پیش نظر میں نے اس سے ایک سوال پوچھ لیا۔

"ایک بات آپ سے پوچھوں؟"

"ضرور۔"

"یار دیال صاحب! نقشہ کا باقی حصہ تو آپ نے بتایا نہیں۔"

"وہ تمھارے مطلب کا نہیں۔ وہ تاریک وادی جانے کا راستہ ہے۔ ایک بات اور، تاریک وادی مطلب موت۔ وہاں ہر قدم پر موت سے ملاقات ہونے کا اندیشہ ہے۔" دیال نے سنجیدگی سے کہا۔

"موت سے ملاقات۔" میں نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔

”ہاں بیٹا، دولتمند بننا آسان نہیں۔“

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے دولت سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی بس میں تو صرف اپنی جان بچانے کے لئے اسکا ساتھ دے رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے اسکا ساتھ نہ دیا تو یہ مجھے پکڑوا دے گا اور پھر قتل کے جرم میں پھانسی پکی تھی۔ میرے پاس کوئی ثبوت بھی نہ تھا اپنی بے گناہی کا۔

”رتونداکے بارے میں کچھ سنا ہے؟“ مجھے سوچوں میں گم دیکھ کر اس نے مجھے مخاطب کیا تو میں چونک پڑا۔

”نہیں۔“ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

”وہ روایات کا جنگل ہے۔ اس کے لئے ہمیں پہلے جانا ہوگا۔ قدیم چتیم پور جو اب روپ نگر ہے وہاں کے جنگلات سے گزر کر ہی ہم تاریک وادی جا سکتے ہیں۔ وہ جنگلات جتنے گھنے ہیں اتنے ہی خطرناک۔ چنانچہ ہم کو ایسے بندے کی ضرورت ہے جو ان جنگلات کو جانتا ہو۔“

”ایسا بندہ تو وہاں کی کسی قریبی آبادی سے ملے گا۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”چلو چلتے ہیں۔“ وہ بھی مسکرایا۔

”خزانہ ملنے کے بعد میرا وعدہ ہے کہ میں اپنی شکتیوں سے تمہارے سارے کیس ختم کرا دوں گا۔ وعدہ۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس نے شاید میرے دل کی بات پڑھتے ہوئے کہا تھا۔ پھر اس کے بعد خاموشی سے تیاریاں کی گئیں۔ ریل کا طویل سفر طے کیا گیا اور بالآخر ہم دونوں پہنچ گئے۔ روپ نگر ہندوستان کا ایک تاریخی شہر ہے اور بہت سی قدیم روایات کا حامل بھی۔ بدلتے وقت میں روپ نگر میں کافی تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ یہ شہر علم و فنون کا خزانہ لئے ہوئے ہے۔ یہاں ایک بڑا کتب گھر ہے جسکا نام نالندا ہے۔ نالندا میں آج بھی بہت سی بیش قیمت دستاویزات موجود ہیں جس سے روپ نگر کی تاریخ کو جاننے اور سمجھنے میں آسانی سے مدد ملتی ہے۔ یہاں ایک ایسا مندر ہے جس کے بارے میں مشہور ہے محبت میں ستائے لوگ اگر کام دیوتا کو بلی دے کر اس کو خوش کریں تو اسکی محبت اسکو مل جاتی ہے لیکن بلی صرف انسان کی دی جانی چاہیے۔

روپ نگر کے جنگلات کے پاس ایک چھوٹی سی پسماندہ سی بستی تھی جو کہ حکومتی توجہ سے محروم نہایت غربت کا

شکار تھی۔ان کی گزر بسر کا ذریعہ سیاحوں کی آمد پر تھا۔اس کے علاوہ ان کے مرد حضرات شہر میں بھی محنت مزدوری کیا کرتے تھے نیز یہ لوگ جنگلی پھل بھی غذائی ضرورتوں میں استعمال کیا کرتے تھے۔خوشنما مناظر سے آباد یہ چھوٹی سی بستی زیادہ سے زیادہ چار پانچ سو گھروں پر مشتمل تھی۔یہاں ہمیں ایک نوجوان ملا جس کی عمر بائیس یا تئیس برس تھی۔گندمی رنگ اور مضبوط کاٹھی کا یہ نوجوان جسکا نام شنکر تھا۔اس کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ اسکا بدن فولاد کا بنا ہو۔

''ہمارے ساتھ جنگل چلو گے۔''میں نے اس نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں شاب!ہم چلے گا۔ہم شکاری۔''وہ اپنے سفید دانتوں کی نمائش کرتا ہوا بولا۔

''صرف شکاری یا اور کچھ بھی جانتے ہو۔''دیال نے اس کی مضبوط کاٹھی کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ام کک شر۔شارا کام کرے گا رات کو تم سوئے گا ہم پہرا دے گا۔''

''تو تم چلو گے ساتھ۔''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ایک بات اور،ہمیں کچھ مزدوروں کی ضرورت ہوگی تاکہ کھدائی وغیرہ میں استعمال ہوں۔''میں نے سنجیدگی سے کہا۔میری بات کی دیال نے بھی تائید کی تب وہ بستی کا نوجوان بولا۔

''شاب!پانچ مزدور تو مل جائیں گے۔''

دوسری صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہم لوگوں کا قافلہ جنگل میں داخل ہوا۔پانچوں مزدور بھی اسی طرح توانا اور چاق وچوبند تھے۔ہم نے ضرورت سفر کا سارا سامان لے لیا تھا جو اس جنگل میں ہمارے کام آ سکتا تھا۔جونہی ہم نے جنگل میں قدم رکھا اور تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ بارش نے آن لیا۔ہم سارے لوگ گھوڑوں پر تھے۔اس بستی سے گھوڑے وغیرہ کرایہ پر لینے میں دیال کے کافی سارے پیسے خرچ ہو گئے تھے۔گھوڑوں کو آرام آرام سے چلاتے ہم جنگل میں چلے جا رہے تھے۔جنگل تھوڑی ہی دیر کے بعد گھنے ہو گئے تھے اس لئے بارش کی تیزی کا احساس نہ تھا۔

جیسے ہی درخت چھدرے ہوئے ایسا لگتا کہ آسمان کے سوتے کھل گئے ہوں۔پانی دھاروں کی شکل میں گرتا

نظر آتا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں ہالی وڈ کی کسی ایکشن ایڈونچر فلم کا حصہ ہوں۔ گھوڑے بارش میں یوں چل رہے تھے کہ جیسے انہیں ان کی عادت ہو۔ شنکر مجھے مسرور دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

''شاب! بارش بہت خوبصورت ہے ناں۔''

''ہاں۔ بہت۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''شاب! یہاں تو بارش ہوتا رہتا ہے۔ آپ شہر والا اسکو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔'' شنکر اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

''لیکن یہ بارش کتنی اچھی لگ رہی ہے۔ میں پہلی بار اس طرح کی بارش دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

جنگل کا حسن ہمارے سامنے عیاں تھا۔ بارش کی وجہ سے جانوروں میں افراتفری تھی۔ وہ دوڑتے بھاگتے پھر رہے تھے۔ پہلی بار نظروں کے سامنے جانور اس طرح دوڑ رہے تھے جن میں نیل گائے، زرافہ اور دوسرے چھوٹے بڑے جانور موجود تھے۔

''بہت شاندار۔ زبردست۔'' دیال محظوظ کن لہجے میں بولا۔

ہمارے گھوڑے آہستہ آہستہ چلتے رہے۔ اچانک شنکر نے مدہم آواز میں سیٹی چھیڑ دی۔ تھوڑی دیر بعد مزدوروں نے شنکر کا ساتھ شروع کر دیا تھا۔ مدہم سروں میں سیٹی کی آواز نہایت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ بارش رک چکی تھی لیکن موسم سرد ہو چکا تھا۔ فضا میں خنکی بدستور موجود تھی۔ ایسا لگتا کہ بارش اب کچھ وقت کے لئے رک گئی ہے دوبارہ ضرور ہو گی۔ آسمان سے گھٹا ٹوپ اندھیرے اتر رہے تھے اور شام کے سات بجے تو ہم رک گئے گویا ہم نے وہیں قیام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''دیال! کیا ہم نقشے کے مطابق چل رہے ہیں۔''

''ہاں۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

درختوں کے پتوں سے بارش کے قطرے چھن رہے تھے۔ اس لئے آگ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر کھانے کا انتظام بھی کرنا تھا۔ چونکہ تھوڑی سردی بھی محسوس ہو رہی تھی اس لیے تھرموس سے چائے نکال کر تھوڑی

تھوڑی پی۔اور اپنے گھوڑے درختوں سے باندھ دیئے اور مزدوروں نے جلد از جلد گھوڑوں سے خیمہ کھول کر لگا دیے۔اب رات کے کھانے کا مسئلہ حل کرنا تھا جو کہ بہت ضروری تھا۔

"شاب! ام شکار بھی کرتا۔" شنکر بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اس شکار کو بھونو گے بارش میں۔لکڑی تو گیلی ہوگی۔" میں نے پریشانی سے کہا۔

"اوہو۔ام بھول گیا تھا۔"

"ابھی جو کچھ ساتھ لائے ہیں اسکو کھاتے ہیں اور پھر سوچیں گے کیا کرنا ہے۔" دیال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا۔اچانک ایک تیز چیخ کی آواز سن کر سب چونک پڑے اس چیخ کی سمت دیکھا تو ہم سب کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

۞......۞......۞

وہ تیز چیخ ایک مزدور کی تھی۔جو جنگلی گھاس پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔اسکا چہرہ نیلا پڑتا جارہا تھا۔اس کے چہرے پر درد وخوف کی کیفیت تھی اور بے حد بری طرح سے تڑپ رہا تھا۔اس کے منہ سے سبز جھاگ نکل رہا تھا۔

"شاہد۔سانپ۔" دیال بڑبڑایا۔

"ہاں لگتا تو ایسا ہی ہے۔" میں نے دیال کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے جواب دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ مزدور اپنی زندگی کی بازی ہار گیا۔اچانک میں نے دیکھا کہ جہاں مزدور گرا تھا وہاں سے سرخ اور نیلے رنگ کا ایک موٹا سا سانپ نکل کر ایک طرف رینگنے لگا۔اتنا موٹا اور لمبا سانپ میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔سانپ قریباً تین فٹ موٹا تھا اور سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دیال اور شنکر سمیت سارے مزدور اس سانپ کو دیکھ کر سجدے میں گر چکے تھے۔

میرے لئے یہ منظر نہایت حیرت انگیز تھا۔ایک معمولی سے سانپ کو مارنے کے بجائے یہ لوگ سجدے میں گر چکے تھے۔سانپ کے جانے کے بعد میں نے دیال سے پوچھا کہ یہ سب کیا تھا۔دیال کے بجائے شنکر نے جواب دیا۔

"شاب! دیوی کا درشن ہوگیا۔سب کام آسان ہوگیا۔"

”دیوی۔ میں سمجھا نہیں یہ تو ایک خطرناک سانپ ہے۔“ میں نے حیرت سے کہا۔

”یہ سانپ نہیں تھا۔ دیوی یو حا ہے جو صدیوں بعد دکھائی دیتی ہے اور مزدور نے ضرور دیوی کو ستایا جب تو دیوی کے غصے کا شکار ہوا۔ اور جس کو دکھائی دیتی ہے اس کے سارے رکے ہوئے کام ہو جاتے ہیں مجھے یقین ہے کہ میں کامیاب ہوں گا۔“ شنکر کی جگہ دیال نے عقید تمندانہ لہجے میں جواب دیا۔

”کیا فضول بکواس ہے۔ ہر کام صرف میرے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ وہ نہ چاہے تو کوئی کام ہو نہیں سکتا۔“ میں نے تھوڑے غصے سے کہا۔

میری بات سن کر اس نے کوئی جواب نہ دیا بس لاش کو گھورتا رہا۔ ایسا لگ رہا تھا اس نے سنا ہی نہیں جبکہ شنکر اپنی قسمت پر ناز کرتا دوسری طرف چلا گیا۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ دوسرے مزدور اس لاش کو ٹھکانے لگانے میں مصروف تھے۔ جو کچھ ساتھ تھا اس کو کھانے کے بعد اب سونے کی باری آئی تھی۔ باری باری سب کے جاگنے کی ڈیوٹی تھی۔ رات اسی عالم میں ڈیوٹیاں بدلتے گزرتی رہی۔ رات کے دوسرے پہر بارش کی ایسی جھڑی لگی کہ صبح تک اسکا زور نہ ٹوٹا لیکن صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی بارش کا زور ٹوٹ گیا۔ حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ آگے بڑھنے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ کسی کی صورت اس مزدور کی موت کا ملال نہ تھا۔ سوائے میرے۔ میں اس غریب مزدور کی موت پر غمزدہ تھا۔

بارش کی وجہ سے جنگل خطرناک ہو چکا تھا۔ لیکن خطرات سے کھیلنا تو مردوں کا شیوہ تھا۔ بارش سے بڑھنے والے خطرات نے کچھ اور لطف دیا تھا۔ جنگل جل تھل ہوا تھا۔ ہم مستقل آگے بڑھ رہے تھے۔ ہمیں آگے بڑھتے ایک دن سے زیادہ ہو چکا تھا۔ جنگلی جانور بھیگی بلی بنے ہوئے تھے۔ بہت سے خطرناک درندے اس ڈیڑھ دن کے سفر میں ہمارے سامنے سے گزرے تھے۔ جنگل کا یہ سفر مجھے دلچسپ بھی محسوس ہو رہا تھا اور خوف کا باعث بھی کہ کہیں کوئی بدمست جانور ہمیں اپنا شکار نہ کر لے۔ میرے نزدیک دیال اور شنکر بہت دلچسپی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ آسمان ابھی تک سیاہ تھا۔ بڑے بڑے کالے بادلوں نے قدرتی چھت کو گھیر رکھا تھا۔ لگتا تھا کہ کسی وقت بھی آسمان کے سوتے کھل سکتے ہیں۔

”شاب! بارش ابھی اور ہوگا۔“ شنکر کے یہ جملے پورے ہوئے نہیں تھے کہ بارش کے موٹے موٹے

قطرے نمودار ہوئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ بارش بہت تیز اور شدید تھی۔ چند ہی سیکنڈز میں ہم لوگ بھیگ گئے۔ بارش کے سبب سفر میں مشکلات تو تھیں ہی لیکن مزا بھی تھا۔

''نقشے کے مطابق ہم کہاں پہنچ چکے ہیں؟'' میں نے دیال سے پوچھا۔

''ہمیں دریائے سوگونڈا جانا ہے۔ اس سوگونڈا کے مقام پر انسانی شکل والی ایک بڑی چٹان ہے جو کہ تاریک وادی جانے کا راستہ ہے۔'' دیال مسکرا کر بولا۔

''سوگونڈا یہاں سے کتنی دور ہے شنکر۔''

''شاب! اگر ہم ایک دن اور چلتے رہیں گے دریائے سوگونڈا پہنچ جائیں گے۔ مگر وہ دریا تو موت کا دریا ہے۔ مگرمچھ ہوتا ادھر بہت۔ تم کیا مگرمچھ کا شکار کرنا مانگتا۔'' شنکر ہنس کر بولا۔

''نہیں ہم کو تاریک وادی جانا ہے۔''

''تاریک وادی۔ وہ بہت خطرناک ہے۔ سنا ہے اس وادی میں موت ہے۔'' شنکر کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار تھے۔

گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھتی ہی جارہی تھیں۔ آسمان سے گویا پرنالے چل رہے تھے البتہ حیرت انگیز بات یہ تھی جنگل میں پانی جمع نہیں ہوا تھا بلکہ تیز دھاریں درختوں کے گرد بل کھاتی عقبی سمت نکل رہی تھیں۔ بارش کا شور بدستور تھا۔ دن کا وقت تھا لیکن بجلی کے کوندے لپکتے صاف محسوس ہورہے تھے۔ بادل بھی خوب گرج رہے تھے۔ اچانک ایک تیز آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی۔ ایک عجیب سا شور تھا ایک خوفناک شور جس میں جانوروں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ ہاتھی کی چنگھاڑ کے ساتھ بھینسوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ اچانک ایک تیز تڑاخ کی آواز سنائی دی۔ فضا میں مسلسل گرج کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ اس آواز میں درختوں کے ٹوٹنے کی آوازیں بھی تھیں گو کہ یہ آوازیں کافی دور سے آتی محسوس ہورہی تھیں لیکن رفتہ رفتہ قریب آتی محسوس ہورہی تھیں۔

''یہ پانی کا شور ہے۔'' دیال نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟''

''کوئی طوفانی ریلا۔'' دیال نے اتنا کہا تھا کہ یکدم ہمیں کچھ فاصلے پر بائیں سمت سے درختوں کی چوٹیاں

سرنگوں ہوتی دکھائی دیں۔ درختوں کے موٹے تنے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ میلے ملگجے اندھیرے میں پانی کا ایک طوفانی ریلا دھاڑیں مارتا اپنی زد میں آنے والی ہر چیز کو روندتا ہماری جانب بڑھ رہا تھا۔ بارش بدستور جاری تھی لیکن اب اس کی شدت کم ہو چکی تھی۔ اسی وقت شنکر کے منہ سے چیخ نکلی۔

"لگتا ہے دریائے سوگونڈا میں باڑ آ گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے سراسیمگی سے کہا۔

"شاب! بھاڑ کا بند ٹوٹ گیا ہو گا۔" وہ چیخ کر بولا۔ اچانک اس نے مزدوروں کی جانب دیکھا اور پھر بولا۔

"آرباناں۔ شو۔ شو۔ لمشکلم۔ بو۔ بو۔" ان بے ہنگم سے لفظوں کو سنتے ہی مزدوروں میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔

پانی کا مہیب ریلا تیزی سے ہماری جانب بڑھ رہا تھا۔

"بھاگو۔" اتنا کہہ کر میں نے گھوڑے سے اتر کر دوڑنا شروع کر دیا۔ دیال اور شنکر نے بھی میرا ساتھ دیا تھا۔ مزدوروں میں سے جس کا منہ جدھر پڑا بھاگ اٹھا لیکن پانی کا ریلا کہاں خاطر میں لاتا تھا بہت سے مزدور اس ریلے کی زد میں آ گئے۔ بھاگتے بھاگتے ہماری نظر ایک نو فٹ کے دائرے پر محیط ایک درخت پر پڑی۔ میں نے، دیال اور شنکر نے اس درخت کی شاخوں کو پکڑ لیا جو کہ اس نو فٹ کے دائرے میں لٹک رہی تھیں اور لٹک گئے۔ ہمارے پیروں سے پانی ٹکراتا گزر رہا تھا۔ اب ہم صرف تین بچے تھے ہمارے مزدور بھی پانی میں ڈوب چکے تھے۔ اس طوفانی ریلے میں ہمارے گھوڑے ساز و سامان سمیت بہتے چلے گئے تھے۔ کئی ٹوٹے درخت مردہ پرندے جنگلی جانور شیر، بارہ سنگھے، نیل گائے، ہاتھی تک بہتے نظر آئے۔ درخت آدھے سے کم پانی میں ڈوب چکا تھا۔

"تم اپنی ودیا کو استعمال کرو۔ تاکہ ہم اس مصیبت سے نکل سکیں۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"پانی کے سامنے کوئی جادو نہیں چلتا۔" اس نے لٹکے لٹکے جواب دیا۔

پانی جھاگ اڑاتا ہوا درخت سے ٹکراتا ہوا گزر رہا تھا۔ ریلے کی توڑ پھوڑ کی آواز اب بھی جاری تھی لیکن پانی میں اب وہ شدت نہ تھی لیکن اس کے بہاؤ میں کمی نہ ہوئی تھی۔

"شنکر کہاں ہے۔" دیال چلایا۔

"ام ادھر شاب۔"

میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو شنکر درخت پر بیٹھا نظر آیا۔اس کے چہرے پر سکون کی کیفیات تھیں۔

''آپ بھی اوپر آجاؤ شاب۔'' وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔

''تم کیسے پہنچ گئے اوپر۔'' میں نے چیخ کر پوچھا۔

''شاب! ہم جنگل کا بیٹا۔'' وہ ہنس کر بولا۔''آپ بھی اوپر آجاؤ۔کوشش کرو سب آشان۔''

بارش اب رک چکی تھی لیکن مطلع ابھی بھی ابر آلود تھا۔چنانچہ اس کے ہمت دلانے پر ہم نے درخت سے اوپر چڑھنے کی کوشش کی۔ابھی ہم اوپر چڑھ ہی رہے تھے کہ اچانک میری نظر شنکر کی عقبی سمت پر پڑی۔اوپر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ایک ڈھائی انچ موٹا نجانے کتنا لمبا سانپ جس کا رنگ پیلا تھا رینگتا ہوا شنکر کی طرف بڑھ رہا تھا۔میں نے چیخنے کی کوشش کی لیکن میری آواز بند ہوگئی جبکہ دیال کی کیفیت مجھ سے مختلف نہ تھی۔

''دیال! کچھ کرو۔'' میں چلایا۔

جواب میں دیال نے سر ہلایا اور آنکھیں بند کرلیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بدبدانے لگا۔اچانک شنکر کی کربناک چیخیں گونجیں۔سانپ نے اپنے بل شنکر کے گرد کسنا شروع کردیے تھے۔اس کے چہرے کی رنگت بدلتی جارہی تھی۔اس کی چیخوں کی آوازیں بے حد کربناک تھیں۔یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں۔اچانک میرے ذہن میں ایک حیرت انگیز خیال آیا۔میں نے لٹکتے لٹکتے اپنے جسم کو جھولا، دونوں ٹانگوں کو اوپر کی جانب دھکا دیا تو دو تین بار کی کوشش سے میری دونوں ٹانگیں اوپر تنے سے چمٹ گئیں۔میں نے چمٹے چمٹے جیب سے پستول نکالا اور اللہ کا نام لے کر سانپ پر یکے بعد دیگرے گولیاں چلادیں۔

گولیاں سانپ کے پھن پر لگیں اور گولی پھن چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئیں۔سانپ کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور بل تیزی سے کھلنے لگے۔سانپ نیچے گر پڑا اور شنکر بھی جھٹکا کھا کر نیچے گر پڑا۔اچانک میں نے حیرت انگیز منظر دیکھا کہ شنکر نیچے گرنے کے بجائے فضا میں تیرنے لگا۔دوسرے لمحے ہی دیال بھی فضا میں تھا اس نے آنکھیں بند کرکے جو عمل کیا تھا وہ کارگر ثابت ہوا تھا۔میں اس موٹے تنے پر لیٹا گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

دوسرے ہی پل میں نے اپنے اردگرد کالے سیاہ دھویں کے بادلوں کو دیکھا۔دھویں کے بادلوں نے بڑی تیزی

سے مجھ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پھر مجھے کچھ نہ دکھائی دیا۔

جب دھویں کے بادل چھٹے تو ہم لوگ خشک زمین پر تھے۔ جنگل بھی بہتر حالت میں تھا۔ چاروں طرف طویل، وسیع اور لمبے لمبے درخت تھے جن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ شنکر بدستور بے ہوش تھا اور ایک درخت کے سہارے لیٹا ہوا تھا اور میں بھی اسکے برابر لیٹا تھا۔ دیال کا کہیں پتہ نہ تھا۔ میں کراہتا ہوا اٹھ گیا۔ بے ہوش شنکر کی جانب بڑھ گیا۔ شنکر کا چہرا نیلا پڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ جسم جگہ جگہ سے زخمی تھا۔ اچانک مجھے جنگل کے ایک کونے سے دیال آتا دکھائی دیا۔ وہ بڑا تیز تیز چلتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کٹورا تھا۔

''کہاں تھے؟'' میں نے تشویش زدہ نظروں سے کٹورے کی طرف دیکھ کر کہا جو کہ مٹی کا تھا۔ کٹورے سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔

''اس مشروب کا انتظام کرنے گیا تھا جو میں نے کبھی تم کو پلایا تھا۔'' دیال نے شنکر کی طرف دیکھ کر مسکرا کر جواب دیا۔

''اوہ اچھا۔'' مجھے حیرت تھی کہ اس تشویش زدہ ماحول میں وہ مسکرا بھی سکتا ہے۔

اتنا کہہ کر دیال نے وہ کٹورا ایک طرف رکھا اور بے ہوش شنکر کو جھنجھوڑنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کے جسم میں تحریک اور کپکپی سی پیدا ہوئی۔ اس نے نیم وا نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔ دیال نے وہ کٹورا فوراً اس کے منہ سے لگا دیا اور اپنی بچوں جیسی معصوم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ مشروب اس کے حلق میں جاتے ہی اس میں ڈرامائی تبدیلی پیدا ہوئی اور اس کی حالت سدھرنے لگی۔ دوسرے پل وہ اٹھ بیٹھا۔

''سانپ۔ سانپ۔'' شنکر دہشت سے چلایا۔

''سانپ کو ہم نے مار دیا ہے اب تم محفوظ ہو۔'' دیال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ شنکر نے کوئی جواب نہ دیا بس وہ دہشت زدگی کے عالم میں ہم دونوں کو گھورتا رہا پھر ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

''شاید طوفانی ریلا چلا گیا سو گونڈا کا باند جب ٹوٹتا ہے جب ان جنگلات میں ضرور باڑھ آ جاتی ہے۔''

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ کہ سوگونڈا ہم کب تک پہنچ سکیں گے۔'' میں نے شنکر کی طرف دیکھ کر کہا۔
میری بات پر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چاروں طرف دیکھنے کے بعد بولا۔
''میرا خیال ہے شاب، ہم سوگونڈا کے بہت قریب ہیں۔'' اس نے اتنا کہا تھا کہ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے دہشت ظاہر ہونے لگی ہے۔ میں نے اس کی نگاہوں کی سمت دیکھا تو میری آنکھیں بھی حیرت وخوف سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہی کیفیت دیال کی بھی تھی۔

✪......✪......✪

وہ منظر تھا بہت خوفناک تھا۔ وہ پیلی آنکھیں خونخوار اور خوفناک تھیں جو ہماری ہی سمت دیکھ رہی تھیں۔ وہ لمبا، خوفناک اور سیاہ رنگ کا شیر تھا۔ اس درندے کی آنکھوں میں نہایت وحشت تھی۔ اس کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ جیسے کہ اپنی خوراک تاک رہا ہو۔ اچانک اس نے اپنی پچھلی ٹانگیں مارنا شروع کر دیں۔
''یہ حملہ کرنے کے چکر میں ہے۔'' میں زیرلب بڑبڑایا۔
''لگتا تو ایسا ہی ہے۔'' ☆
اچانک شیر منہ اوپر اٹھا کر دھاڑا۔ شیر کی دھاڑ بڑی خوفناک تھی۔ دھاڑ سن کر درختوں کے پرندے اڑ گئے۔ شیر نے ہماری جانب دوڑنا شروع کر دیا۔ میری چیخ نکل گئی۔ میں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا جبکہ شنکر چیخ کر درخت پر چڑھ گیا اور مجھے بھی درخت پر چڑھنے کا کہنے لگا۔ شنکر کی دیکھا دیکھی میں بھی درخت پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ چونکہ درخت پر چڑھنا آسان نہ تھا۔ ایک درخت لمبا اور سیدھا تھا اور مجھ سے چڑھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ میں تھک ہار کر درخت کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔ شیر کی رفتار نہایت تیز تھی۔ میں نے دیکھا کہ دیال آنکھیں بند کیے ساکت وصامت کھڑا ہے۔ اس کے منہ سے بے ربط قسم کے جملے نکل رہے تھے۔
اچانک دیال نے آنکھیں کھول دیں۔ شیر بالکل ہی دیال کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ شیر دیال کو، دیال شیر کو گھورے ہی جا رہے ہیں۔ اچانک شیر نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف نظر آیا۔ ساتھ ہی ساتھ دیال نے بھی آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ اچانک وہ درندہ گھوما اور بھاگ کھڑا ہوا۔ دیال واپس گھوما تو میں نے دیکھا کہ اسکی آنکھیں سرخ ہیں جیسے کہ ان میں خون اتر آیا ہو۔ ان آنکھوں میں نہایت

وحشت تھی۔ایک لمحے کے لئے مجھے بے حد خوف محسوس ہوا۔پھر اسکی آنکھیں اعتدال پر آ گئیں۔

اسی لمحے شنکر بھی درخت سے اتر آیا۔اس نے حیرت بھری نظروں سے دیال کی جانب دیکھا اور پھر اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

’’شاب!تم جادو کیا۔‘‘

’’ارے نہیں۔‘‘دیال ہنس کر بولا۔’’ہم دراصل رنگ ماسٹر ہیں۔جانوروں کو ٹرین کرنا ہمارا کام ہے۔‘‘

میں نے صاف دیکھا کہ دیال کی وضاحت شاید اسکی سمجھ نہیں آئی تھی اس نے بے یقینی سے سر ہلایا تھا۔

’’اب چلیں۔‘‘میں نے مسکرا کر کہا۔

’’ہاں چلو۔مگر بھوک لگی ہے۔‘‘دیال نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر جواب دیا۔

’’شاب!ہم پھل توڑ کر لاتا۔آپ رکو۔‘‘اتنا کہہ کر وہ بھاگتا ہوا درختوں کی دوسری جانب چلا گیا۔چند لمحوں بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے پاس بہت سے جنگلی کیلے، سیب اور دوسرے پھل تھے۔ہم تینوں نے پیٹ کی آگ بجھائی اور اور وہاں سے چل پڑے۔

ہمارا سفر سوگونڈا کی جانب تھا جہاں سے تاریک وادی کی سرحد شروع ہوتی تھی۔شنکر کی تجویز کے مطابق ہم جنگل میں سیدھا ہی سیدھا آگے بڑھتے رہے۔تقریباً پینتالیس منٹ کے سفر کے بعد درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔درختوں کے دوسری طرف چٹانی سرزمین تھی۔ناہموار اور خشک ماحول پر پیلاہٹ سوار تھی۔اسکی وجہ بھی معلوم ہو گئی تھی۔چٹانیں اور زمین بالکل پیلی تھی۔اس زردی میں جو کچھ نظر آیا وہ کافی لرزہ خیز تھا۔

۞......۞......۞

وسیع عریض چٹانی میدانوں میں ہر طرح کے جانوروں کے غول در غول نظر آ رہے تھے۔طوفانی ریلے نے کافی تباہ کاری مچادی تھی۔ننھے معصوم جانور سہمے ہوئے تھے۔نیل گائے، سانبھر ہرن وغیرہ تھے۔ہاتھیوں کا پورا خاندان نظر آیا تھا اور بہت سے شیر، چیتے بھیڑیے، بارہ سنگھے بھی نظر آئے تھے۔طوفانی ریلا واقعی تباہ کن تھا۔اس تباہ کن ریلے نے کمزور جانوروں کو طاقتور جانوروں کے رحم وکرم پر ڈال دیا تھا۔منظر کافی متاثر کن تھا۔موت کے اس مرحلے سے نکلنے کے بعد ایک بار پھر طاقت کا قانون کمزور پر لاگو ہو گیا تھا۔یہ منظر میں زندگی میں کبھی نہیں

بھولوں گا۔ چند معصوم اور وحشی جانوروں، چرند پرند درندوں کی لاشیں موجود تھیں۔

''کافی خوراک کا انتظام موجود ہے۔'' میں نے لاشوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''شاب! اس طرف سے جانا ڈینجر ہے۔'' شنکر بولا۔

میں نے ٹھنڈی سانس لی اور متاثر کن لہجے میں دیال کو مخاطب کیا۔ ''دیکھو۔ کمزور جانور طاقتور جانوروں کے رحم وکرم پر ہیں۔ کیا کہتے ہو۔''

''یہی کہ طاقتور ہمیشہ کمزور پر غالب ہے۔'' دیال نے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر سب سے بڑی طاقت اللہ کی ہے جس نے ساری قوتوں میں توازن پیدا کر رکھا ہے۔'' میں نے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔ دیال نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

''شاب! ہمیں درختوں کے درمیان ہو کر چلنا چاہیے۔ جنگلی جانور کا کوئی بھروشہ نہیں۔ ویشے بھی پریشان ہیں شب جانور۔'' شنکر دیال سے بولا۔

''کیوں؟ ہم واپس چلتے ہیں جہاں سے آئے تھے۔''

''شاب! ہم کو شیدھا ہی جانا ہوگا کیونکہ سوگونڈا یہاں سے دائیں طرف ہے۔''

''اوہ ہاں ٹھیک ہے۔''

''ہم لوگوں کو درختوں کے اختتامی سلسلے کی جانب سفر کرنا چاہئے تاکہ ہم ان درندوں سے محفوظ رہ کر جلد از جلد منزل تک پہنچ سکیں۔'' میں نے کہا۔

ہم نے درختوں کے اختتامی سلسلے کی جانب سفر شروع کر دیا تھا۔ ایک عجیب سی اداسی مجھ پر سوار تھی۔ کمزور جانوروں کی بے بسی نے مجھے مضمحل کر دیا تھا۔ کمزور جانور پانی سے بچے تو طاقتور جانوروں کے مضبوط شکنجے میں آ گئے تھے۔ اب وہ اپنی بھوک مٹانے کے لئے ان کا شکار کریں گے۔ جنگل کے کنارے سفر کرتے کرتے رات ہو گئی تھی۔ عجیب سفر تھا جس میں ایک اداسی سی مسلط تھی۔ جانوروں کی آوازیں تک سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ جنگل میں بھیانک سا سناٹا مسلط تھا اس سناٹے سے سخت وحشت ہو رہی تھی۔

جنگل کے کنارے سفر کرتے کرتے رات ہو گئی تھی۔ جسم پر تھکن کا احساس سوار تھا رات کو حوائج ضروریہ

سے فارغ ہو کر ہم دونوں جنگل میں آگ لگا کر بیٹھ گئے تا کہ مچھروں اور درندوں سے محفوظ رہا جا سکے جبکہ شنکر کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرنے گیا تھا۔

''کیا تم کو یقین ہے کہ ہم اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے؟''

''ضرور۔ یقین ہے کہ میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ تم نہیں جانتے اس سفر کے لئے میں نے کتنا انتظار کیا ہے۔'' دیال کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

''میں تو اتنا جانتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ اسلیئے ہوں کہ میں بے گناہ جیل نہیں جانا چاہتا۔ خزانہ حاصل کرنے کے بعد تم مجھے بے گناہ ثابت کرو گے۔ تم نے اپنی قوتوں کے سہارے مجھے قانون سے بچا تو لیا۔ لیکن میں بذریعہ قانون بے گناہ ثابت ہونا چاہتا ہوں۔'' میں نے اپنی طویل بات ایک ہی سانس میں مکمل کی۔

''بے فکر رہو یار! جس مقصد کے لئے میں نے اپنی زندگی لگا دی، اس کے پورا ہونے کے بعد تمہارا حصہ اور تمہاری زندگی دونوں واپس تمہیں ضرور ملیں گی۔'' دیال نے میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے خوشگوار موڈ میں جواب دیا۔ نجانے کیوں مجھے ایسا لگتا تھا کہ دیال کے سفر کا مقصد خزانہ ہی نہیں اور اسکے علاوہ اور بھی ہے کیونکہ اکثر اسے میں نے دوران سفر خیالات میں مگن دیکھا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ چھپا رہا ہو۔ لیکن کیا تھا وہ مقصد یہ مجھے معلوم نہ تھا۔

اچانک میں نے شنکر کو آتے دیکھا۔ اس کے کندھوں پر حسب سابق بہت سے پھل موجود تھے جو اس نے مختلف درختوں سے توڑے تھے۔ ان توڑے ہوئے پھلوں میں بہت سے ایسے فروٹ بھی موجود تھے جو میں نے کبھی دیکھے بھی نہ تھے۔ بہر حال ہم تینوں نے پھل کھا کر پیٹ کے جہنم کو سرد کیا اور پھر تینوں نے باری باری سونے کی ڈیوٹی لگالی۔ رات کے آخری پہر ڈیوٹی کی باری شنکر کی تھی۔

دوسری صبح سورج کی روشنی نے گدگدایا تو پتہ چلا رات کی نیند بہت اچھی تھی۔ شنکر ہم سے پہلے کا جاگا تھا۔ ناشتے کا انتظام اس نے کسی پرندے کے گوشت کی صورت میں پہلے ہی کر لیا تھا۔ تمام ضرورتوں سے فراغت کے بعد ہم لوگ اپنے سفر پر چل پڑے تھے۔ شنکر کے مطابق ہم لوگ سوگونڈا تک پہنچنے ہی والے ہیں۔ ہم لوگ چلتے رہے، چلتے رہے۔ کافی میدانی سلسلوں کو عبور کرنے کے بعد بالآخر ہم نے ایک جگہ آبی پرندوں کو فضا میں پرواز

کرتے دیکھا۔وہ آبی پرندے دور پہاڑ کے پیچھے سے نظر آرہے تھے۔

''شاب!اس پہاڑ کے پیچھے دریا ہے۔جب باڑھ آتی ہے شارا پانی پہاڑ سے نیچے آجاتا ہے اور ایسا صرف بارش کے جیادہ ہونے پر ہوتا ہے۔''

ہم دونوں نے کوئی جواب نہ دیا اور شنکر کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔کافی دیر بعد جب ہم پہاڑ کے نزدیک پہنچے تو حیرت سے میری آنکھیں کھل گئیں۔میں نے زندگی میں کبھی اسقدر سیاہ رنگ کا پہاڑ نہیں دیکھا تھا۔پہاڑ پر بارش اور پانی اترنے کے تمام آثار موجود تھے۔

''اوپر جانے کا راشتہ اس طرف ہے۔'' شنکر نے اپنے بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے مڑ کر دیکھا تو واقعی بائیں جانب ایک چھوٹی سی پگڈنڈی تھی جو کہ آڑی ترچھی ہو کر اوپر جا رہی تھی۔

ہم تینوں نے اس کے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔دو گھنٹے کی طویل مشقت کے بعد ہم اس پہاڑ پر چڑھ چکے تھے۔اوپر کا منظر نہایت شاندار تھا۔پہاڑ کے وسط میں نہایت خوبصورت اور ٹھاٹھیں مارتا دریا بہہ رہا تھا۔سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دریا کی چوڑائی بھی کافی زیادہ تھی جس سے ٹھاٹھیں مارتا پانی آگے جا رہا تھا۔دریا سے تھوڑے فاصلے پر ایک نہایت طویل جھرنا تھا۔جسکا پانی بھی دریا میں گر رہا تھا۔یہ دریا کہاں جا کر ختم ہوتا تھا اسکا اندازہ لگانا دشوار تھا کیونکہ تاحد نگاہ پانی ہی پانی تھا جو کہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔دریا کا کٹاؤ کچھ اس طرح تھا کہ بارش ہو جانے کی صورت میں سارا پانی پہاڑ سے نیچے اتر آتا تھا جس سے جنگل میں طوفانی ریلا آجاتا تھا۔آسمان پر چاروں طرف آبی پرندے اڑتے نظر آرہے تھے۔منظر نہایت خوبصورت اور سحر انگیز تھا۔

''اب ہمیں انسانی شکل والی چٹان تلاش کرنی ہے۔'' دیال پر مسرت لہجے میں بولا۔

قارئین کے لیے میں ایک بات اور گوش گزار کردوں جب مجھے اور دیال کو شنکر کے سامنے کوئی بات کرنی ہوتی جو ہماری مہم سے متعلق ہوتی تو ہم دونوں انگریزی میں کرتے تھے چنانچہ ابھی بھی ہم دونوں نے انگریزی میں بات کی تھی۔

میں اسے جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ اچانک میری نظر پانی سے ابھرتی ایک چیز پر پڑی۔وہ چیز آہستہ آہستہ پانی سے باہر آرہی تھی۔وہ ایک چٹان تھی جسکی شکل مردانہ تھی۔کسی آدمی کی ابھری ہوئی صورت تھی۔جیسے ہی وہ

چٹان پانی سے باہر آئی میں نے دیکھا کہ اسکا رنگ سبز تھا۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی آدمی سوچ میں مگن ہو۔

۞......۞......۞

اچانک پانی کے اندر سے آہستہ آہستہ کوئی چیز باہر آرہی تھی۔ وہ چمکتی چیز چٹان کے گرد تیر رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ تیرتی ہوئی ان کے نزدیک آرہی تھی۔ میں اور شنکر خوف سے اس چمکدار چیز کو دیکھ رہے تھے جو اچانک نظر آئی تھی جبکہ دیال نہایت دلچسپی سے اس چیز کو دیکھ رہا تھا جو قریب آرہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کی سب اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہو۔ وہ چیز آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ وہ بالکل ہمارے قریب آ کر رک گئی تھی۔

وہ سیاہ رنگ کی لکڑی کا سٹریچر تھا۔ اس سٹریچر پر انسانی جسم نظر آ رہا تھا جو کہ اس پر دراز تھا۔ وہ جسم کسی لڑکی کا تھا جو کہ نہایت ہی خوبصورت تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ مری ہوئی ہے۔ اس کا جسم برہنہ حالت میں تھا اور پورا جسم عجیب سے روغن سے ڈھکا ہوا تھا جس سے اسکا جسم چمک رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ انسانی جسم پانی کے اندر سے برآمد ہوا تھا۔

”شاب ابھب۔ بھب۔ بھوت۔“ شنکر خوف زدہ آواز میں چلایا۔

دیال بڑی ہی دلچسپی سے اسکو دیکھ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں خوف کے بجائے تجسس تھا جبکہ میرے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ میری دہشت بھری نظریں اس جسم پر جمی تھیں۔

”یہاں شے بھاگ شلو۔ صاحب کوئی آتما شاتما کا چکر ہے۔“ شنکر نے خوف سے میرے کندھے کو ہلا کر کہا۔

”ڈر تو مجھے۔ بھی لگ رہا ہے۔“ میں نے بڑبڑاتے ہوئے جواب دیا۔

”شاب! آپ لوگ کش چکر میں ہو۔ کوئی گڑبڑ تو نہیں۔“ شنکر کی آواز میں خوف تھا۔

میں کچھ جواب دینا ہی چاہ رہا تھا کہ دیال نے پرسکون آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

”خلیق۔ تم اس لاش کو ہاتھ لگاؤ۔“

”میں۔“ میں نے حیرت بھرے لہجے میں تقریباً چلا کر کہا۔

”ہاں۔ تم۔ یہ ہمارا آخری پڑاؤ ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں اس لاش کو ہاتھ لگانے سے کیا ہوتا ہے۔“ اس کی

آواز پرسکون تھی۔

’’نہیں۔نہیں۔نہ جانے کونسا شیطانی چکر ہو‘‘ میں نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

’’شاب! یہ کوئی بھوت ہے۔‘‘ شنکر بڑبڑایا۔

’’خلیق۔تم اسکو ہاتھ لگاؤ‘‘ دیال شنکر کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔

’’نہیں۔میں ہاتھ نہیں لگاؤں گا‘‘ میں نے بھی فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

’’ہاتھ لگانا ہی پڑے گا تم کو۔میں منزل سے دور نہیں ہوسکتا۔‘‘ دیال نے اچانک پلٹ کر میرا گریبان پکڑا اور بولا۔میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں نہایت وحشت تھی۔جیسے میں نے اس کی بات نہ مانی وہ منزل سے دور ہوجائے گا۔اس کی آنکھوں میں وحشت دیکھ کر میں چونک پڑا۔

’’اگر کچھ الٹا سیدھا ہوگیا تو......‘‘ میں نے خوفزدگی سے جواب دیا۔

’’کچھ نہیں ہوگا۔ہاتھ تو لگاؤ‘‘ اس کے لہجے میں بے صبری تھی۔

جیسے ہی میں لاش کو ہاتھ لگانے کی نیت سے آگے بڑھا میں نے دیکھا کہ انسانی شکل والی چٹان گھوم رہی ہے۔

’’دھت تیرے کی۔تونے وقت ضائع کردیا۔اب آگے کا راستہ بہت مشکل ہوگا‘‘ دیال بڑبڑایا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک ایک عجیب سی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔انسانی شکل والی چٹان سے شعاعیں سی نکل کر جھرنے والی چٹان پر پڑیں۔شعاعوں کے پڑنے سے ایک تیز گڑگڑاہٹ ہوئی اور جھرنے کے پانی کے پیچھے والی چٹان سرکنے لگی۔چٹان کے ہٹنے سے پانی کے پیچھے ایک دروازہ نظر آنے لگا اس دروازہ کے اندر گھپ اندھیرا تھا۔

’’وہ رہی تاریک وادی۔‘‘ دیال خوشی سے چلایا جبکہ شنکر حیرت سے اس راستہ کو ظاہر ہوتے دیکھ رہا تھا۔

’’اوہ۔بھگوان۔شاب! جادو۔‘‘

’’چلو وادی میں۔‘‘ دیال میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا۔

’’چل رہا ہوں یار۔‘‘ میں نے شنکر کو اشارہ کیا۔

’’شاب۔ہم اندر نہیں جائے گا۔ہم کو ڈر لگتا ہے۔‘‘

چنانچہ ہم نے اسکو مجبور نہ کیا اور چٹانوں کو عبور کرتے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

☆......☆......☆

سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس کھلے دروازے سے اندر داخل نہیں ہونا چاہتا تھا مگر میں تو موت کے خوف کی وجہ سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ اگر میں اسکو منع بھی کر دیتا تو ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے لے کر نہ جاتا مگر شاید اپنی شیطانی قوتوں کی مدد سے پولیس کو انفارم کر دیتا۔ یا تو پھانسی یا پھر عمر بھر کی جیل میرا مقدر ہوتی۔ یہ سب نہ ہوتا وہ مجھے مار بھی سکتا تھا اس نے وعدہ کیا تھا کہ خزانہ ملنے کے بعد وہ میری بے گناہی ثابت کرے گا مگر کیسے؟ یہ بڑا سوال تھا۔ شاید اپنی قوتوں سے یا پھر شاید خزانہ ملنے کے بعد وہ اپنے وعدے سے مکر جائے اور مجھے اسی وادی میں دفن کر کے چلا جائے۔ اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ آخری سانس تک اپنی جان کے لئے لڑوں گا پھر چاہے کچھ بھی ہو۔ چنانچہ میں اسی خیال کے پیش نظر اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اور ہم دونوں اندر داخل ہو چکے تھے۔ اندر بہت زیادہ گھپ اندھیرا تھا اور ساتھ میں زیادہ ٹھنڈ کا احساس محسوس ہوا۔ اندھیرا اسقدر زیادہ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ دل میں ایک عجیب طرح دہشت اور خوف سوار تھا۔ یہ میرے اپنے احسات تھے دیال کا کیا تھا یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔

”مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ اندھیرا بھی کس قدر زیادہ ہے۔“ میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”ڈرو مت۔ نقشہ کے مطابق تاریک وادی میں زیادہ تر نظر کا دھوکہ ہے۔ تم ڈرو گے تو تاریک وادی کا خوف تم کو اور ڈرائے گا۔“ دیال میرے خوف کو محسوس کر کے بولا۔

میں خاموش ہو گیا۔ قدرے توقف کے بعد میں نے کہا۔ ”یار ٹھنڈ کس قدر زیادہ ہے۔“

”وہ تو ہے۔“ دیال نے میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے جواب دیا۔ ہم دونوں بس اندازے کی بنیاد پر چل رہے تھے۔ ایکدوسرے کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر ہم دونوں چل رہے تھے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ہم کو جانا کہاں ہے اور نہ ہم کو راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ مختلف حشرات الارض کی آوازیں ہمیں ہر طرف سے گونجتی محسوس ہو رہی تھیں۔ مینڈک، جھینگر کی آوازیں میں نے واضح محسوس کی تھیں۔ خوف کا احساس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اچانک چلتے چلتے ایک عجیب سی آواز گونجی۔ وہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی پرانے زمانے کا بھاپ کا انجن اسٹیم چھوڑتا

ہے۔آواز سنتے ہی میرے ہاتھ کی گرفت دیال کے ہاتھ پر اور سخت ہوگئی۔دل کہ دھڑکن کو میں نے تیز ہوتے محسوس کیا۔اچانک میں نے اپنے سامنے دو سرخ آنکھوں کو ظاہر ہوتے دیکھا وہ بغیر چہرے کی آنکھیں مجھے پلک جھپکائے ہمیں دیکھ رہی تھیں۔

"دیال!یہ کیا شیطانی چکر ہے۔"میں نے دیال کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"چپ رہو۔اور چلتے رہو۔یہ تاریک وادی کی بدروحیں ہیں۔"دیال نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"مگر تمہارا جادو۔"میں نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

"یہاں میرا علم کام نہیں کر رہا۔"دیال نے انکشاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

اچانک وہی آنکھیں مجھے اپنے دائیں سمت دکھائی دیں اور پھر اپنے بائیں۔پھر چاروں طرف آنکھیں ہی آنکھیں نظر آنے لگیں۔

"مم۔ڈر لگ رہا ہے۔"میں نے خوف بھری آواز میں کہا۔

"اپنے حواس قابو میں رکھو۔ڈرو گے تو یہ چیزیں اور ڈرائیں گی۔"دیال کی آواز پرسکون تھی۔

میں دیال کے ساتھ چلتا رہا۔حیرت کی بات یہ تھی کہ دیال کو خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔اچانک میں نے دیکھا کہ سامنے سے سفید رنگ کا دھواں ظاہر ہو رہا ہے۔وہ دھواں بڑھتا ہی جا رہا تھا کہ اچانک مجھے کسی نے زوردار دھکا دیا۔میرا ہاتھ دیال سے چھوٹ گیا۔میرے حلق سے ایک کربناک چیخ نکلی۔دیال چلایا۔

"اپنے حواس قابو میں رکھنا۔"دیال چیخ کر بولا۔"ڈرنا مت۔"

دیال نے اتنا ہی کہا تھا کہ سرد ہاتھوں کی نرم سی گرفت مجھے اپنے ہاتھ پر محسوس ہوئی۔میرے حلق سے تیز چیخ نکلی اور میں جھٹکا کھا کر گرا اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

❂......❂......❂

ہوش آیا تو میں نے دیکھا،چاندنی رات ہے اور ٹھنڈی اور خنک ہواؤں نے مجھے فرحت کا احساس دیا تھا۔ میں کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا اور ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو سامنے کا منظر دیکھ کر خوف سے گھگی بندھ گئی۔میں نے اپنے آپ کو وسیع قبرستان میں پایا۔اچانک میری نظر دیال پر پڑی جو کہ بالکل میرے برابر بے سدھ پڑا تھا اور اس

کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔دیال کو دیکھنے کے بعد پہلی نظر میں مجھے ایسا لگا کہ شاید دیال کے بوجھ سے دھرتی پاک ہوگئی ہے۔چنانچہ میں اس پر جھک گیا۔تھوڑی دیر میں ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ زندہ ہے صرف بے ہوش ہے۔

کافی دیر کی تگ و دو کے بعد جب اسکو ہوش نہ آیا تو میں مدد لانے کے خیال سے اٹھ کھڑا ہوا۔چنانچہ میں نے آگے بڑھنا شروع کیا۔تھوڑی دیر میں اندازہ ہوگیا کہ میں جس قبرستان میں موجود ہوں وہ کسی پہاڑ پر واقع ہے۔دور دور تک قبریں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نظر آرہی تھیں۔چاند کی روشنی میں تاحد نگاہ قبریں ہی قبریں تھیں۔اچانک مجھے پانی کے گرنے کی آواز نے چونکا دیا۔پانی کی آواز میرے پیچھے سے آرہی تھی چنانچہ میں نے اپنا رخ پانی کی طرف کرلیا۔تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھے چھوٹا سا پہاڑی جھرنا نظر آیا جس سے پانی نکل رہا تھا۔میں نے فوراً اسکی جانب دوڑ لگادی۔پانی کو دیکھتے ہی ساری تھکاوٹ اور بھوک کا احساس دوبارہ لوٹ آیا تھا۔پانی کے نزدیک پہنچ کر میں نے دیوانوں کی طرح اس سے ہاتھ منہ دھونا شروع کردیا اور پینا شروع کردیا۔پانی کے حلق میں جاتے ہی متلی کا شدید احساس مجھے ستانے لگا۔پیٹ میں شدید درد ہونے لگی۔پانی کا ذائقہ بھی کچھ عجیب سا تھا پھیکا پھیکا سا نمکین۔پانی کے ہاتھوں پر لگتے ہی چپچپاہٹ کا احساس ہوا۔چند لمحوں کے بعد احساس ہوگیا کہ میں نے پانی نہیں کچھ اور پیا ہے۔وہ نمکین کا احساس شاید خون کا تھا۔یہ احساس ہوتے ہی میرے حلق میں جانے والا پانی نہیں خون ہے۔میں چیخ کر اٹھ کھڑا ہوا۔اچانک میں نے دیکھا کہ پانی سے ایک ہاتھ برآمد ہورہا ہے۔میں دہشت زدہ نظروں سے ہاتھ کو برآمد ہوتے دیکھ رہا تھا۔

قارئین کرام!میری کیفیت اس وقت ہالی وڈ کی ہارر فلم کے ہیرو جیسی ہوگئی تھی جو کہ خوفناک حالات میں پھنس جاتا ہے۔فرق صرف اتنا تھا وہ حالات خود ساختہ ہوتے ہیں اور جو میں محسوس کررہا تھا وہ سچ اور حقیقی تھا۔ہاتھ تیزی سے باہر آرہا تھا اور میں چیختا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔اچانک میرے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔میں نے پلٹ کر دیکھا تو دیال تھا جو نہایت سنجیدگی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔دیال کو دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔

''خ۔خون۔خون۔ہاتھ۔''میں نے دہشت زدگی میں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

ہاتھ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔دیال نے فوراً سے پہلے چٹانی پتھر اٹھا کر اس ہاتھ پر دے مارا۔پتھر لگتے

ہی ہاتھ واپس پیچھے جانے لگا۔تھوڑی دیر میں ہاتھ اندر جھرنے میں چلا گیا۔

''تم نے کس گورکھ دھندے میں پھنسا دیا ہے۔نہیں چاہئے مجھے خزانہ۔مجھے جیل بھیج دو۔اس سے اچھا تو جیل ہے۔''میں ہذیانی انداز میں چلا کر بولا۔

''صبر۔برخوردار۔''

''نہیں مجھے جانا ہے واپس۔''میں نے اسکا گریبان پکڑ کر کہا۔

''جانا چاہتے ہو۔ضرور جاؤ لیکن میری منزل تک پہنچنے کے بعد۔میں نے اس منزل کے لئے برسوں انتظار کیا ہے۔تم میری پیاس کو بجھائے بغیر نہیں جاسکتے۔پلیز۔''اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔میرے لئے یہ حیرت کا مقام تھا کہ اس جیسا جلاد میرے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہے۔

''میں تھک چکا ہوں اب انتظار نہیں ہوتا۔''وہ پھر لجاجت سے بولا۔اس کے چہرے پر آئی بے چارگی دیکھ کر میں چونک گیا۔بہت سے سوالات میرے ذہن میں آئے۔میں پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ میں کیوں اس قدر اہم ہوں لیکن سوالات میرے حلق میں ہی پھنس گئے۔

دیال کے عقب کا منظر نہایت دہشت ناک تھا۔قبریں پھٹ رہی تھیں اور ان سے ڈھانچے نکل نکل کر باہر آرہے تھے۔ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔

''ڈھانچے۔بھاگو۔''میں چلایا۔دیال نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بھاگنا شروع کر دیا۔بھاگتے بھاگتے وہ بولا۔

''ست پال۔میں تجھ کو ہرا کر رہوں گا۔تو کیسی بھی رکاوٹ کھڑی کر لے۔''

میں نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔یہ دوسری دفعہ تھا جو اس نے ست پال کا نام لیا تھا۔یہ ست پال کون تھا،اس کی دیال سے کیا دشمنی تھی۔تو کیا یہ ساری رکاوٹیں وہ پیدا کر رہا ہے تا کہ ہم اپنی منزل تک نہ پہنچ سکیں مگر پھر وہی سوال تھا کہ کیوں؟ بھاگتے بھاگتے میں نے پیچھے دیکھا تو ڈھانچے چیختے چلاتے ہمارے پیچھے تھے۔ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور خوفناک آوازیں نکالتے ہمارے پیچھے تھے۔وہ تعداد میں کافی زیادہ تھے۔جیسے ہی ہم پہاڑی کٹاؤ گھومے سامنے کا منظر دیکھ کر ہم دونوں کی چیخیں نکل گئیں۔سامنے بھی ڈھانچے تھے جن کی

تعداد کافی زیادہ تھی اور ہمارے عقب میں بھی۔

”لگتا ہے۔آج ہمارا کھیل ختم۔“ دیال نے مایوسی سے کہا۔میری سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہم کیا کریں خوف سے میری چیخ نکل گئی۔ڈھانچے قریب سے قریب ہو رہے تھے۔ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کریں۔

”یہ آخری پڑاؤ ہے۔نقشے کے مطابق خونی آبشار مل چکی ہے۔مندر آس پاس ہوگا۔یہ ست پال کا آخری وار ہے۔“ دیال زیر لب بڑبڑایا۔

ڈھانچوں نے ہم کو گھیر لیا تھا۔اچانک میرے ذہن میں خیال آیا اور میں نے بلند آواز میں درود شریف ﷺ کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ورد کا اثر معجزانہ تھا۔ڈھانچوں میں افراتفری پھیل گئی۔ڈھانچے یوں تڑپنے لگے جیسے مرغ بسمل۔کچھ لمحوں میں ان میں آگ لگ گئی۔ڈھانچوں کے جلنے سے تڑخ، تڑخ کی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔کچھ ہی لمحوں میں چاروں طرف بدبو اور سڑاند پھیل گئی۔ڈھانچے ٹوٹ ٹوٹ کر ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔

”یہ تم نے جادو کیا۔“ دیال نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں بیوقوف! یہ اللہ کا کلام ہے اس کے حبیب ﷺ کی شان ہے۔جس نے ہماری جان بچائی۔“

دیال نے کوئی جواب نہ دیا۔ہم دونوں پہاڑی کٹاؤ جو کہ اوپر کی طرف جا رہا تھا چلنے لگے۔قریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہم پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔پہاڑ کی اوپری زمین اونچی نیچی اور میدانی تھی۔جگہ جگہ خودرو جھاڑیوں اور پودوں نے پہاڑ پر جیسے سبزے کی چادر تان دی تھی۔چاند کی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ دور کسی عمارت کے آثار نظر آ رہے ہیں۔

”وہ رہا مندر۔چلو۔“ دیال خوشی سے میرا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولا۔

”ہرگز نہیں۔میں نہیں جاؤں گا جب تک تم ساری بات مجھے بتا دو۔یہ ست پال کون ہے اور مجھے لگتا ہے کہ بات صرف خزانے کی نہیں کچھ اور بھی ہے۔“

میری بات سن کر اس نے ٹھنڈی سانس لی اور پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔

”میرا نام دیال نہیں، جے دیو ہے۔بھاگ متی میری محبت تھی، پیار تھا۔وہ راجکماری تھی اور میں ایک نیچ

ذات سے تھا لیکن راجکماری ان چیزوں کو نہیں مانتی تھی۔ پجاری ست پال کی نیت راجکماری پر خراب تھی۔ اسکی وجہ سے اسکو خودکشی کرنا پڑی۔ مرنے سے پہلے ہم نے پونر جنم لینے کی قسم کھائی چنانچہ وہ پجاری سمجھ گیا ہم دونوں نے جنم لے لیا تو یہ ذات پات کا بھید ختم ہو جائے گا ہم ایک ہو کر مل جائیں گے چنانچہ اسکی آتما کو سونے کی مورتی میں قید کیا گیا تاکہ وہ دوسرا جنم نہ لے سکے۔ یہی ست پال کا بدلہ تھا۔ اس نے ہر جگہ ایسا علم کیا کہ میں اسے ہاتھ ہی نہ لگا سکوں صرف چندر پتر ہی ہاتھ لگا سکے۔ تین ہزار سال سے اس کی آتما سونے کے بت میں قید ہے۔ اگر وہ اس بت سے آزاد ہوگی تو تب ہی ہم دوسرا جنم لے سکیں گے۔ تم چندر پتر ہو۔ تم اس سونے کی قید سے نجات دلا سکتے ہو اس وجہ سے میں تمہارے پیچھے تھا۔ چندر پتر پیدا ہی ہزاروں ورش میں ایک دفعہ ہوتے ہیں اس لئے میں تین ہزار سال سے بار بار اپنا جنم لیتا ہوں اور ہار جاتا ہوں مگر اب میں تھک گیا ہوں۔ راجکماری کے بغیر میں دوسرا جنم نہیں لینا چاہتا۔ اب میری مدد کرو۔ اس کو آزاد کر دو اس کی آتما مجھ سے ملا دو۔" دیال بولتے بولتے روہانسا ہو گیا۔

اس کی داستان سن کر میں گنگ رہ گیا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ نقشہ کی وہ داستان سچ بھی ہو سکتی ہے چنانچہ اسکی مظلومیت پر مجھے ترس آنے لگا تھا۔ اس کی مدد کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

"ٹھیک ہے اس کے بعد تم مجھے بے گناہ ثابت کرو گے۔"

"راجکماری کی مکتی کے بعد تم کو کسی کی ضرورت نہیں ہوگی۔" دیال مسکرا کر بولا۔

"کیا مطلب؟" میں چونک گیا۔

"میں نے سارے ثبوت مٹا دیے تھے پہلے ہی۔"

ہم دونوں مندر کی جانب چلنے لگے۔ واقعی وہ عظیم الشان مندر تھا جو کہ کسی اہرام کی صورت میں بنا ہوا تھا اور اسکی دیواریں دو چہروں کی تھیں۔ ایک مرد کی اور ایک عورت کی۔ جیسے ہی ہم دروازے پر پہنچے میں نے دیکھا کہ گیٹ کھل گیا ہے۔ ہم اندر داخل ہونے لگے تو یکدم آگ کا ایک شعلہ بلند ہوا جس سے ہم دونوں ایک جھٹکے سے ہوا میں بلند ہو گئے۔ آگ کا شعلہ چند لمحے تک ہوا میں چکراتا رہا پھر وہ شعلہ آہستہ آہستہ انسانی روپ لینے لگا۔ اب وہاں ادھیڑ عمر موٹی توند والا آدمی کھڑا تھا اس کے جسم پر صرف ایک دھوتی کے سوا کچھ نہ تھا۔

"کاہے رے جے دیو۔ ہم ہیں ست پال آنند۔ تو ایک بچہ ہم کو ہرائے گا۔ میری آتما اس راجکماری کی آتما کی رکھشک ہے۔" وہ اپنے دانت نکال کر ہنسا۔

"پجاری تو کل بھی ہارا تھا آج بھی ہارے گا۔" جے دیو عرف دیال نے جواب دیا۔

"تجھے کون بچائے گا۔ میں اس لونڈے کو ماردوں گا تو پھر صدیوں تک انتظار کرنا۔" اتنا کہہ کر وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا پھر اس نے میری طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔ آگ کا ایک شعلہ بلند ہوا جو میری طرف بڑھا مگر میں نے آیت الکرسی شروع کردی۔ تلاوت کی برکت سے وہ جلتا شعلہ بجھ گیا اور ہم دونوں نیچے گر پڑے۔ میں نے ست پال پجاری کے چہرے پر تلملاہٹ ظاہر ہوتے دیکھی۔

گرتے ہی ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اچانک میں نے دیکھا کہ زمین سے چھوٹے چھوٹے ہاتھ برآمد ہونے لگے جس نے ہم دونوں کو جکڑ لیا۔ اب ہم دونوں نہ ہل سکتے تھے نہ ہی کوئی حرکت کر سکتے تھے۔ اب ست پال کو شیر کے روپ میں ظاہر ہوتے دیکھا۔ ست پال کی جگہ سیاہ اور سفید دھاریوں والا شیر کھڑا تھا جو غصے بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں ہم دونوں پر جمی تھیں۔ خوف و دہشت سے میری ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ شیر نے بھاگنا شروع کردیا۔ کہتے ہیں ناں کہ مصیبت میں صرف اللہ ہی یاد آتا ہے تو میں نے بھی وہی کیا۔ آیت الکرسی کی تلاوت شروع کردی۔ جیسے ہی شیر نے جست لگائی میں نے اس کی جانب پھونک ماردی۔ شیر ہوا میں ہی معلق ہوگیا۔ میں نے شیر کی سرخ آنکھوں میں خوف ظاہر ہوتے دیکھا۔ اسی لمحے شیر کو آگ لگ گئی۔ شیر کو آگ لگتے ہی ہمارے ہاتھ اس شیطانی گرفت سے آزاد ہوگئے۔

شیر کی جگہ پجاری ست پال کے جسم میں آگ لگی ہوئی تھی۔ چند لمحوں بعد وہاں کچھ نہ تھا نہ پجاری نہ اسکی روح۔ اب وہاں صرف سناٹا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم دونوں کے گیٹ سے اندر داخل ہوگئے۔ سامنے ایک چٹانی پتھروں سے بنی طویل راہداری تھی۔ وہ راہداری ایک چھوٹے کوریڈور جتنی تھی۔ راہداری کی دونوں دیواریں سیاہ پتھروں کی تھیں جن پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مشعلیں روشن تھیں۔ جن کی روشنی نے ماحول کو ڈراؤنا بنادیا تھا۔ ہم دونوں کوریڈور پار کر کے ایک بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ وہ ہال قربان گاہ جیسا تھا۔ اس ہال کی ساری دیواریں سیاہ موٹے گول پتھروں کی تھیں۔ دیواروں پر چاروں طرف مشعلیں روشن تھیں۔ ہمارے سامنے کالی

دیوی کا مکروہ بت نصب تھا جو کہ کافی بڑا تھا۔اس کی لال سرخ زبان سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ خون سے تر ہے۔

وسط میں سونے کا تابوت ایک سونے کے چبوترے پر دھرا تھا جس پر ہیرے موتی نصب تھے۔ایک ایک موتی اور ہیرا کافی بڑا تھا تو گویا یہی خزانہ تھا۔دیال نے دوڑ کر تابوت کا ڈھکن اٹھادیا۔ڈھکن کے اٹھتے ہی اندر ایک سونے کی مورتی لیٹی تھی جسکا قد کاٹھ انسانی تھا۔وہ مورتی کسی عورت کی تھی۔مورتی کو دیکھ کر دیال کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

''ہزاروں برس بیت گئے تمہاری روح کو اس میں قید ہوئے اب وقت آگیا ہے آزادی کا۔'' وہ روتے ہوئے بولا۔اتنا کہہ کر وہ روتے ہوئے کالی کے سامنے سربسجود ہوگیا۔

یہ منظر میرے لئے کرب ناک ہی نہیں دہشت ناک بھی تھا۔کسی انسان کو شرک عظیم کرتے دیکھنا تکلیف دہ تھا۔میرا دل چاہا کہ میں اس کو منع کروں مگر ہمت نہ کر سکا۔دیال عجیب وغریب زبان میں بڑبڑا رہا تھا۔شاید وہ اس منحوس بت کے سامنے عقیدت کا اظہار کر رہا تھا۔

''چندر پتر! تم اپنا وعدہ پورا کرنے کو تیار ہو۔''

''ہاں۔'' میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

''تمہارے بازو سے خون نکال کر اس سونے کے بت پر چھڑکنا ہوگا۔اس سے پہلے تم کو کالی کے پوتر قدموں میں گر کر پرارتھنا کرنی ہوگی۔''

اتنا سننا تھا کہ میرے قدموں تلے زمین نکل گئی۔

''کیا میں اس بت کے قدموں میں گروں۔میں اس رب کو مانتا ہوں جو تمہارا، میرا، اس پوری کائنات کا خالق ہے۔نبی آخرالزماں ﷺ کی دعوت شرک کا رد کرتی ہے اور میں بھی انکار کرتا ہوں۔چاہے اس شرک سے تم مجھے جان سے کیوں نہ ماردو۔''

''تم نے ہماری دیوی کو پتھر کہا۔چندر پتر! اب میں تم کو جان سے ماروں گا چاہے مجھے راج کماری کا انتظار صدیوں ہی کرنا پڑے۔'' دیال غصے میں کانپتا ہوا بولا۔اس نے آگے بڑھ کر میری گردن پکڑ لی اور زور سے دبانے لگا۔اچانک اس نے مجھے اچھال کر پھینکا اور میں اچھل کر تابوت سے جاٹکرایا۔خون کی ایک پتلی لہر میرے

سر سے نکل کر راجکماری کے بت پر جاگری۔ وہ پھر میری جانب بڑھا لیکن میں نے ایک بھرپور لات اس کے پیٹ پر دے ماری۔ وہ تیورا کر گرا اور میں اچھل کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا لیکن اس نے مجھے دھکا دیا اور میرے سینے پر سوار ہو گیا اور میرا گلا دبانے لگا۔ میرا سانس گھٹ رہا تھا۔ اس وقت میں نے دل سے اپنے اللہ کو پکارا تھا۔

''ڈرو مت برخوردار۔ تم نے اللہ کو پکارا ہے اور وہ اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا۔ اپنی جیب دیکھو۔'' ایک نرم سی سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پتلون کی جیب میں ہاتھ مارا تو مجھے محسوس ہوا کہ جیب میں ایک پستول موجود ہے۔ میں نے فوراً سے پیشتر پستول نکالا اور فائر کر دیا۔ دھماکے کی آواز سے وہ اپنا دل پکڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ گولی اسکے دل کے پار ہو گئی۔ وہ پیچھے ہٹتا ہوا تابوت سے ٹکرایا اور چیخ کر تابوت میں جا گرا۔ میں نے اٹھ کر دیکھا۔ راجکماری کی لاش سونے کی مورتی سے آزاد ہو چکی تھی۔ واقعی راجکماری کا حسن بہت ملکوتی تھا۔ اس کے پیٹ پر زخم کا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں مبہوت ہو کر رہ گیا۔ تڑپتے ہوئے دیال نے یہ منظر دیکھا تو چیختے ہوئے راجکماری کو گلے لگا لیا۔ اسی پل تابوت کا ڈھکن بند ہو گیا۔ اچانک مشعلیں بجھ گئیں۔ ایک تیز گڑگڑاہٹ کی آواز سے میں چونک گیا۔ شاید زلزلہ آ رہا تھا۔

✿......✿......✿

قارئین! میں تاریک وادی سے کس طرح نکلا یہ ایک طویل داستان ہے۔ راستے بھر کی تکالیف، مصیبتیں ایک الگ داستان رقم کر دیں گی۔ شہر پہنچ کر میں نے انجیلا کو ڈھونڈ کر اسے مسلمان کر کے اس سے شادی کر لی۔ اس کا اسلامی نام راحیلہ ہے۔ کچھ عرصے کے بعد راحیلہ ماں بن جائے گی۔ جے دیو یا دیال اور بھاگ متی کی داستان ختم ہوتی ہے۔ خدا حافظ۔

✿...... ختم شد ......✿